بھی اسپر ایک پُراثر نظم لکھی ہے، اور نہایت جوشِ عقیدت مین لکھی ہے، یہی نظم "جذباتِ سامی" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۱۴ صفحون پر شائع کی گئی ہے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، پتہ:- ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبل پور،

اسلام اور غلامی، جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی نے "اسلام اور غلامی" کے نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جسمین یہ دکھایا ہے کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے غلامی کے عالمگیر رواج کو مٹانے کی کوشش کی اور ایسے احکام جاری کیے کہ رفتہ رفتہ اس کا رواج دنیا سے اُٹھ جائے، اگر اس نے ان کی عزت اور مرتبت کو روزِ اول ہی سے تمام انسانون کے مساوی قرار دیا، اسی ضمن مین ان صحابہ کے نام اور واقعات لکھے ہین جو غلامی مین بھی رہنے کے باوجود نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے، اور اسی ذیل مین ان تابعین، تبع تابعین، علماء اور ائمہ کے نام بتائے ہین، جو نسلاً غلام ہونے کے باوجود اپنی عزت و مرتبت کے لحاظ سے تمام مسلمانون کے آقا و سرتاج تھے، حجم ۶۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، اور لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۳ر پتہ: منیجر صاحب مسلم ایسوسی ایشن بک ڈپو، پھلواری شریف پٹنہ،

مسیحیت اور سائنس، یورپ مذہب مسیحی کا علمبردار بنکر سولھوین صدی سے انیسوین صدی تک علوم جدیدہ سے جس طرح نبرد آزما رہا، اس کی تصویر ڈریپر کے معرکۂ مذہب و سائنس سے نمایان ہے، جناب پادری برکت اللہ صاحب ایم اے مبلغِ مسیحیت نے زیر تبصرہ رسالہ مین مسیحیت اور سائنس مین اتحاد و آشتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے یورپ کے اس عہد کے تعصب، تقشف اور مذہبی جہل کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، جسمین وہ علوم جدیدہ سے معرکہ آرا رہا، پھر ثابت کیا ہے کہ مسیحیت اور سائنس کی سرحدین جداگانہ ہین، اور ان دونون مین کسی قسم کی کوئی مغائرت اور منافست موجود نہین، حجم ۲۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، پتہ: کرسچین نالج سوسائٹی، انارکلی لاہور،

"ر"

مجلد بستم	ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۷ء	عدد سوم

مضامین

———(x)(٠)(x)———

شذرات

گذشتہ مہینہ کے شذرات مین ہم نے عربی مدارس کی صورت حال پر جو توجہ دلائی تھی وہ بے اثر نہ رہی، مگر ایک دفعہ نہین، بلکہ ضرورت ہے کہ سیکڑون دفعہ ادھر قوم کو توجہ دلائی جائے، اور حقیقت واقعہ انھین سمجھائی جائے کہ عربی مذہبی مدارس کی ضرورت ہے یا نہین ؟ اگر ضرورت نہین تو ان قدامت پرست اور آگے بڑھنے سے روکنے والے مدرسون کو یکبارگی برباد کر دینا چاہیے اور اگر ضرورت ہو تو اُن کو قائم و باقی رکھنے کی کوئی صورت کرنی چاہیے،

قوم کو خبر ہو کہ وہ تمام عربی مدرسے جو گذشتہ چالیس پچاس سال کے عرصہ مین قائم ہوئے اور جنمین سیکڑون اور ہزارون علماء و فضلاء پڑھ پڑھ کر نکلے وہ یا ہماری غفلت کے ہاتھون فنا ہو چکے، یا وہ اسوقت دم توڑ رہے ہین، غدر کے بعد سب سے پہلا شہر جس نے عربی علوم و مدارس کی سرپرستی کی وہ کانپور ہے، مگر اب اسی کانپور مین جا کر دیکھیے، نہ وہ عربی مدرسے ہین، نہ وہ علماء ہین، نہ وہ طلبہ ہین، ایک عام ویرانی چھائی ہو، کانپور کے بڑے بڑے عربی مدرسے جہان کبھی طالبان علم کا ہجوم تھا، اب یا وہان ہر طرف خاموشی ہے، یا چند طالب علم وہان کہین چٹائی پر بیٹھے اونگھ رہے ہین، **فیض عام** کا فیض مدت ہوئی بند ہو چکا، **دار العلوم** (مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کا مدرسہ) چند سال سے بے چراغ ہے، **جامع العلوم** اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے،

علی گڈھ کا وہ مدرسہ جہان مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم درس دیتے تھے، اور جسکے حلقہ سے اُس عہد کے سیکڑون فضلاء پیدا ہوئے، بے نشان ہو رہا ہے، آرہ کا مدرسہ احمدیہ جسکو مولانا ابراہیم صاحب آروی نے قائم کیا تھا اور جس نے تمام مدارس عربیہ مین اصلاح کا قدم سب سے پہلے اُٹھایا تھا، وہ معدوم ہو چکا، جونپور کا وہ مدرسہ جو مولانا

ہدایت اللہ صاحب کے دم کے ساتھ قائم تھا، کثیر آمدنی کے باوجود اس کا عدم و وجود برابر ہے، یہی حال لکھنؤ، بداون، بریلی، الہ آباد، بنارس، بہار اور شہسرام وغیرہ کا ہے،

اسمین شک نہین کہ انھین شہرون مین جہان ایک طرف پرانے مدرسے فنا ہو رہے ہین نئے مدرسون کی بنیادین بھی پڑ رہی ہین مگر چند روزون کے بعد اُن کا نتیجہ بھی وہی ہونا ہے، کیونکہ یہ تمام مدرسے جو نئے قائم ہوتے ہین وہ اسلیے قائم ہوتے ہین کہ عموماً (الا ماشاء اللہ) چند علماء اور معلمین کو اپنی اوقات بسری کیلیے کسی نہ کسی سامان کی ضرورت ہے، کوئی قومی مذہبی علمی یا قومی جذبہ ان مدارس کے وجود اور بقا کی کفالت نہین کر رہا ہے، یہ حالت نہایت دردناک اور مایوس کن ہو،

جو مدرسے آج تک کسی نہ کسی حال مین جی رہے ہین، ان کی زندگی کی وجہ بھی کوئی علمی یا دینی تحریک نہین ہو، بلکہ یہ ہے کہ اُن پر پہلے سے اوقاف ہین، ان اوقاف پر تصرف کے لیے ضرورت ہے کہ اُن کے متولی کسی مدرسہ کا ڈھانچہ قائم رکھین، اس قسم کے مدارس بکثرت ہین، اور شہسرام بہار اور جونپور کا تو ہم کو ذاتی علم ہے، ایسے غیر مخلصانہ حال سے علم و دین کی تجدید و ترقی کا خیال محال قطعی ہو، اور اسی کا نتیجہ ہو کہ وہان اُب اُس فیض و برکت کی اعلیٰ روح موجود نہین ہے جو پہلے انکے دیوار و در سے کبھی نظر آیا کرتی تھی،

ادھر یہ حالت ہے، اُدھر زمانہ کا سخت و قوی ہاتھ طالب العلمون کے دماغون مین بھی انقلاب پیدا کر رہا ہو، اب وہان سے بھی استبداد، حریت، شخصیت، جمہوریت، حق اور آزادی کی آوازین بلند ہو رہی ہین، پچھلے چند مہینون سے ہماری سب سے بڑی عربی درسگاہ دار العلوم دیوبند مین جو کچھ ہو رہا ہے اور جو آپ دیکھ رہے ہین اور سُن رہے ہین وہ شبلی کے اثرات ہین، جہان جسقدر زیادہ شدت تھی اسی قدر بر مین اس کا اثر وہان پہونچا، اور جب پہنچ چکا تو پھر اس کا سنبھلنا مشکل ہو، اب اگر آپ تدبیرین بھی کرین تو دیوبند مین وہ پچھلا سکون وہ گذشتہ عہد امن اور وہ ماضی کی خوردانہ اطاعت و بزرگانہ شفقت واپس نہین آسکتی،

یہ سرسری اور عارضی حوادث نہیں ہیں، بلکہ تدریجی تغیرات کے لازمی نتائج ہیں، جنکو دوربینوں نے پہلے سے جان لیا تھا، اور ہم اس وقت جان رہے ہیں جب وہ خطرہ کی صورت میں ہمارے سامنے آگئے ہیں، اور اگر اب بھی ہم نے وقت سے پہلے تدارک اور تلافی کا سامان نہ کیا تو رہی سہی حالت کا بھی خاتمہ سمجھ لیجیے، ضرورت ہے کہ مدارس عربی کے مہتممین، مدرسین اور قدیم تعلیم میں دلچسپی لینے والے اشخاص یکجا ہوں، اور اس پر غور کریں، اور اصلاحات کی تدبیر سوچیں، کیا ندوۃ العلماء کا آئندہ اجلاس امرتسر اس کے لیے موزوں نہ ہوگا کہ اسمیں عربی مذہبی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا جاسکے،

دار المصنفین کی طرف سے سالِ رواں کی تیسری کتاب خلفاے راشدینؓ چھپکر تیار ہوگئی ہے جو اس مہینہ کے آخر میں ارکان کی خدمت میں بھیجی جائیگی، یہ سیر الصحابہؓ کے سلسلہ مہاجرین کی پہلی کڑی ہے، اسمیں حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے حالات ذاتی، سوانحِ زندگی، اُن کے اخلاق و فضائل و کمالات، اُن کی خلافت کے کارناموں اور اُن کے انتظامی، سیاسی، علمی، اور دینی خدمات اور ملکی فتوحات کی پوری تفصیل ہے، اور اس طرح لکھی گئی ہے کہ اُن کے ذاتی حالات و سوانح کے ساتھ ساتھ عہدِ خلافتِ راشدہ کی ۳۲ برسوں کی پوری تاریخ ان اوراق میں سمٹ گئی ہے، ارادہ ہے کہ اس سال ہم اپنے ارکان کی خدمت میں چوتھی کتاب فقہ اسلامی کی تدوین و ترتیب اور اس کے عروج و کمال اور ائمہ مجتہدین اور فقہاے عظام کی اجتہادی و قانونی خدمات اور کوششوں کی تاریخ پیش کریں جس کا نام شاید "تاریخ فقہ اسلامی" ہوگا، یہ مصر کے ایک نامور محقق عالم کی تصنیف تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ ہے،

ہم کو اپنے قدر افزا اصحاب سے یہ گذارش کرنا ہے کہ براہ خدا وہ مجھ سے مختصر لفظوں میں اپنا مدعا ظاہر فرمایا کریں، جن سوالات کے جوابات عام طور سے ہر جگہ معلوم ہو سکتے ہیں، اُن کے لیے دار المصنفین کو تکلیف دیں، فتووں کے باقاعدہ جواب دینے کے لیے بڑے وقت کی ضرورت ہے، یہ کام دیوبند، فرنگی محل، بدایوں، بریلی، ندوۃ العلماء ہر جگہ خاص طور سے ہو رہا ہے، اس لیے فتووں کے جواب

دینے سے معاف رکھا جائے، نیز یہ بھی عرض ہے کہ دفتری کاموں اور کتابوں کی درخواستوں وغیرہ کے لیے کسی شخص کا نام لکھنے کے بجائے فقط عہدہ یا دفتر لکھنا کافی ہے، نام لکھنے سے تعمیل میں تعویق اور دقت ہوتی ہے،

پچھلے شذرات میں ہم نے اپنے دوست پروفیسر نواب علی کی اُردو تصنیف سیرۃ کا ذکر کرتے ہوے اُن سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اُردو کے بجائے انگریزی میں سیرۃ پر کتاب لکھیں کہ آج اُردو سے زیادہ انگریزی میں اسکی ضرورت ہے، خدا کا شکر ہے کہ موصوف نے ہماری اس التماس کو قبول کیا، اور وہ اُس کے لیے تیاری شروع کرنے والے ہیں، اُنھوں نے لکھا ہے کہ "اس کام کے لیے ہم سے زیادہ مستحق اور اہل مولانا محمد علی ایڈیٹر کامریڈ و ہمدرد تھے، انھیں کو اُدھر متوجہ کیجیے،" عرض ہے کہ مولانا محمد علی کی اس اہلیت و استحقاق میں تو کلام نہیں، ہماری گذارش اُن کی خدمت میں بہت پرانی ہے لیکن اب سیر تمادی عارض ہو چکی ہے، تاہم جس طرح پروفیسر نواب علی کی اردو سیرۃ المصطفیٰ اُردو کی بہت سی اچھی تصنیفات کے وجود کا باعث ہوئی، اسی تفاول پر امید ہے کہ اُن کی انگریزی سیرت بھی شاید اور دوسری انگریزی سیرتوں کے وجود کا باعث بن سکے،

افسوس ہے کہ اُردو کے ایک کہنہ مشق مصنف اور ایک بڑے مصنف کی جسمانی یادگار مولوی بشیر الدین احمد، خلف مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے بھی اپنی جگہ خالی کی، ۲۴ اگست کی شب کو بعارضہ فالج دہلی میں وفات پائی، تاریخِ بیجاپور، فرامین شاہی، عصاے پیری اور کئی تاریخی اور ادبی کتابوں کے مصنف تھے، اور اس عہد میں بسا غنیمت تھے،

مقالات

کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہین کرسکتی؟

۵

حدیث لانکاح الا بولی

احناف نے اس حدیث کو بالفرض صحیح مان لینے کی صورت مین دو تاویلین کی ہین، ایک یہ کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہین بلکہ انھین لڑکیون سے متعلق ہے جن کے لیے ولایت کی ضرورت ہے یعنی نابالغ، مجنون اور بے عقل لڑکیون سے، عاقل و بالغ لڑکیون سے اس کا کوئی تعلق نہین ہے، کیونکہ صحیح حدیثون سے ثابت ہے کہ ثیبہ لڑکیون اور عورتون کے معاملہ مین ولی کو کوئی حق حاصل نہین ہے، اور دوسری حدیثون سے ثابت ہے، کہ عاقل و بالغ لڑکیون کی رائے کو آپ نے ان کے اولیا پر ہمیشہ مقدم کیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ ان لڑکیون کے مقابلہ مین ولی کو کوئی اختیار حاصل نہین ہے، نیز قرآن پاک مین متعدد آیتین ایسی ہین جن مین نکاح کے فعل کی نسبت اولیا کی طرف نہین، بلکہ خود عورتون کی طرف کی گئی ہے، ان سے واضح ہوتا ہے کہ عاقل و بالغ لڑکیون اور عورتون کو اپنے معاملہ کا آپ اختیار ہے، اور ایک آیت پاک مین خاص طور سے اولیا کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتون کے معاملات نکاح مین دخل دین اور ان کو اپنی مرضی کی جگہ پر نکاح کرنے سے روکین، ان وجوہ سے اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو احکام شرعی مین تضاد و تخالف کو دور کرنے کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ بغیر ولی کے نکاح درست نہ ہونے کا حکم صرف نابالغ اور بے عقل لڑکیون سے متعلق ہے عاقل و بالغ لڑکیون سے نہین ہے،

اس حدیث کا دوسرا مطلب اُنھون نے یہ بیان کیا کہ محاورہ مین یہ طرز ادا نہ صرف اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہان نفس فعل کی نفی مقصود ہوتی ہے، بلکہ وہان بھی بولا جاتا ہے جہان اس فعل کے کمال کی نفی مقصود ہوتی ہے خود متعدد حدیثون مین یہ طرز ایسے ہی موقعون پر اختیار کیا گیا ہے جہان نفی مطلق نہین بلکہ نفی کمال مقصود ہے، مثلاً اگر کسی شہر مین ادنیٰ اعلیٰ کوئی طبیب نہو وہان یہ بولا جاتا ہے کہ یہان کوئی طبیب نہین لیکن یہ طرز ادا وہان بھی اختیار کیا جاتا ہے جہان مقصود یہ کہنا ہوتا ہے کہ یہان کوئی اعلیٰ اور حاذق اور کامل الفن طبیب موجود نہین، اسی طرح یہ کہنا کہ ولی کے بغیر کوئی نکاح نہین، اس کے دو معنے ہین ایک یہ کہ مطلق نکاح نہین ہوتا، دوسرے یہ کہ یہ نکاح کا کامل و اشرف طریقہ نہین، یہان یہی دوسرے معنی مقصود ہین یعنی ولی کے بغیر براہ راست اگر کوئی عاقل و بالغ لڑکی اپنا نکاح کرے تو یہ نکاح گو قانوناً جائز ہوگا، مگر اخلاقاً ناموزون اور نامناسب ہوگا،

حافظ ابن حجر نے شافعی ہونے کے باوجود فتح الباری مین اس قدر تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث اپنے طرز ادا کے لحاظ سے یقیناً دونون معنون کو محتمل ہے اور جب تک دوسرے خارجی قرائن نہ لگائے جائین اس کے معنے متعین نہین ہو سکتے، اس کے بعد اپنے موافق قرائن سے اس کے مطلق نفی کے معنی کی تائید کی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اسی قسم کے قرائن احناف بھی اپنی تاویل کی تائید مین پیش کرتے ہین امام طحاوی نے معانی الآثار (جلد دوم) مین ان کو لکھا ہے،

اصل یہ ہے کہ یہان دو مسئلے باہم مخلوط ہو گئے ہین، ایک یہ کہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہین ہو سکتا، دوسرا یہ کہ عورت مرد کے سامنے صیغۂ نکاح خود نہین ادا کرتی بلکہ اس کی طرف سے اس کا کوئی رشتہ دار قائم مقام ہو کر اس کی طرف سے اس کی رضامندی کا اظہار کرتا ہے، صاف لفظون مین یون کہنا چاہیے کہ ایک ولی اجازت ہے، دوسرا محض ولی صیغۂ نکاح یعنی وکیل جسکے اذن رے کو نکاح مین کوئی دخل نہین، امام شافعی اس حدیث سے ان دونون مسئلون کو ثابت کرتے ہین لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے ولی اجازت کا ثبوت نہین ہو سکتا، ہوتی مین ایا ذریعہ اور استعانت کے علاوہ کسی اور معنی مین نہین ہو سکتا، اس بنا پر اس حدیث کا صاف ترجمہ یہ ہے کہ نہین ہے کوئی نکاح مگر بذریعہ ولی کے" یعنی ولی کے ذریعہ عورتون کا نکاح منعقد ہونا چاہیے، اس ولی کی رضامندی و عدم رضامندی اور پسندیدگی و عدم پسندیدگی کو اسمین کوئی دخل نہین ہے، وہ محض ایک وکیل قائم مقام اور ایجنٹ کی حیثیت رکھتا ہے اس سے

استدلال نہیں ہو سکتا،

زیادہ کچھ اور نہیں اس کی اجازت اور اون کے ضروری ہونے پر اس حدیث سے کسی طرح استدلال نہیں ہو سکتا، عورتین مجمع عام مین سب مردون کے سامنے اپنی زبان سے اپنی رضامندی کے کلمات ادا کرنے مین جھجکتی ہین اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان کی طرف سے کوئی رشتہ دار یا خاندان کا بڑا بوڑھا اس کی اجازت سے اُس کی طرف سے مجمع مین وکالت کا فرض انجام دے، اور چونکہ یہ شرم و حیا کنواری لڑکیون کو زیادہ ہوتی ہے اسلیے ان کے بے ایسے وکیلون اور قائم مقامون کی زیادہ ضرورت ہے،

یہ بات کہ ایسے وکیلون اور قائم مقامون کی ضرورت صرف عورتون کی شرم و حیا کی بنا پر ہے، اُن کے فطری عدم قابلیت اور طبعی نا اہلیت کی بنا پر نہیں جیسا کہ بعضون نے سمجھا ہے، اُن حدیثون سے اچھی طرح ثابت ہے جو تیسرے نمبر مین کنواری لڑکیون کے اظہارِ رضا کے طریقون کی نسبت گذر چکی ہین، اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لا نکاح الا بولی کا حکم قانونی نہین بلکہ اخلاقی ہے یعنی ایسا نہین ہے کہ اگر عورت براہ راست خود اپنی زبان سے سب کے سامنے اظہارِ رضامندی کرے، تو نکاح نہین ہو سکتا، نکاح بلا شبہ ہو جائیگا، مگر عورت کی فطری شرم و حیا کے آئین و دستور کے خلاف ہوگا، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک مین جہان کہین نکاح کا حکم اور نہی ہے وہان عورتون کو نہین بلکہ مردون کو خطاب ہے کیونکہ یون کہنا کہ "اے بے شوہر عورتو! اور لڑکیو! اپنا نکاح کر لو، یا اے عورتو! اور لڑکیو! مشرک مردون سے اپنا نکاح نہ کرو" نسوانی شرم و حیا کے آداب اور آئین کلامِ الٰہی کی بلندی اور بلاغت کے خلاف ہے، اس بنا پر اس خطاب الحکم امر و نہی کے موقعون پر عورتون کے متعلق مردون کو خطاب کیا گیا ہے،

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (نور ۴) — اے مردو! تم اپنے مین سے بے شوہر والیون کا اور اپنے نیک غلامون اور لونڈیون کا نکاح کر دیا کرو،

دوسری جگہ ہے،

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا (بقرہ ۲۷) — مشرک جب تک ایمان نہ لائین اپنی عورتون کو ان کے نکاح مین نہ دو،

ان دونون موقعون کے علاوہ جن کا تعلق خطاب اور امر و نہی سے ہے، جہان جہان نکاح کے موقعہ پر صیغۂ غائب ہے، وہان نکاح کی نسبت عورتون کی طرف بہ حکمت کی گئی ہے، ایک اور نکتہ یہ ہے کہ چونکہ اس خطاب اور حکم اور نہی مین ہر قسم کی

عورتین بالغ، نابالغ، کنواری، بیوہ، مطلقہ سب ہی داخل ہین اور ان مین سے نابالغ تمام تر اپنے اولیاء کی رضامندی کے ماتحت ہین اور کنواری بالغ کیلئے اگو ان کی رضامندی کی حاجت نہین تاہم اس کی طرف سے اظہارِ رضامندی مین اولیاء اُس کے قائم مقام ہوتے ہین اس لیے بھی اس مقام پر عورتون کے بجائے مردون کو خطاب کیا گیا ہے،

ایک اور امر بھی اس موقع پر اظہار کے قابل ہے، جاہلیت کے زمانہ مین عورتون کو اپنے اوپر کوئی اختیار حاصل نہ تھا، وہ تمام تر مردون کے قابو مین تھین، وہ چاہتے تھے تو ان کا نکاح کرتے تھے اور چاہتے تھے تو نہین کرتے تھے، اور جس سے چاہتے تھے اُن کا نکاح کر دیتے تھے، اور جس سے چاہتے تھے اُن کو نکاح نہین کرنے دیتے تھے، جب اسلام عورتون کے حقوقِ آزادی کا منشور لیکر آیا تو اُس نے مردون کے ان جابرانہ اختیارات سلب کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ یہ تمام آیتین انھی اصلاحات سے متعلق ہین، اہلِ جاہلیت کی نگاہ مین عورتون، غلامون اور لونڈیون کا ایک درجہ تھا، اس لیے ایک ہی آیت مین ان تمام مظلومون کو اس غیر فطری قید سے آزادی ملی اور حکم ہوا کہ اے مردو! اپنی بے شوہر والی عورتون، غلامون اور لونڈیون کے نکاح کر دیا کرو، اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ زمانۂ جاہلیت مین مردون نے عورتون غلامون اور لونڈیون کو اس حق سے محروم کر رکھا تھا، تو اس کے حکم کے کوئی معنی نہین رہ جاتے، نکاح کرنا مرد و عورت کی ایک فطری خواہش ہے جسکے خاص طور سے حکم کی ضرورت داعی نہ تھی،

اسی طرح چونکہ ان کو یہ بھی پہلے اختیار حاصل تھا کہ وہ جس سے چاہین عورتون کا نکاح کر دین، اس لیے یہ ممانعت آئی کہ مشرکون سے اُن کا نکاح نہ کرو، اسلام کی رو سے محرمات شرعی کے علاوہ جن کا ذکر قرآن پاک مین دوسری جگہ ہے نکاح کے لیے صرف ایک ہی روک ہے، اور وہ شرک ہوتا ہے، اس لیے اس کے متعلق مردون کو خطاب کرکے خاص طور پر تصریح آئی کہ اپنی لڑکیان نامسلمانون کو نہ دو،

مردون کے انھین جاہلانہ اختیارات مین سے ایک یہ تھا کہ وہ اپنے مرے ہوئے رشتہ دار کی بیوہ پر ترکہ اور موروثی جائداد کی حیثیت سے قبضہ کر لیتے تھے، اور اس کو کسی اور سے شادی نہین کرنے دیتے تھے، اسلام نے اس ظالمانہ اور بے غیرتی کے دستور کو مٹا دیا، اور خود عورتون کو یہ اختیار دیا کہ وہ اس سے یا جس سے چاہین نکاح کرین، وارث کو اُس کے روکنے کا کوئی حق نہین ہے، اور نہ وہ ترکہ اور وراثت کی حیثیت سے وارثون کے قبضہ و تصرف مین آسکتی ہین، فرمایا،

یا ایھا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (نساء ۳۶) — اے لوگو جو ایمان لا چکے تمھارے لیے جائز نہین کہ تم عورتون کی زبردستی موروثی قبضہ کرو،

انھین جاہلانہ دستورون مین سے ایک یہ تھا کہ ولی اور رشتہ دار عورتون اور لڑکیون کا زبردستی جس سے چاہتے تھے نکاح کر دیتے تھے، بلکہ یہ دستور یہان تک ترقی کر گیا تھا کہ جو لڑکی ہنوز پیدا نہین ہوئی بلکہ وہ شکم مادر مین ہوتی تھی وہ بطور شرط کے پہلے ہی سے دوسرے کے نکاح مین دیدی جاتی تھی، اسلام نے اس دستور کو بھی مٹایا (ابو داؤد کتاب النکاح) اسی طرح یہ دستور تھا کہ دو آدمی جن مین سے ہر ایک کے ایک ایک لڑکا اور ایک ایک لڑکی ہو وہ دونون آپس مین اپنی لڑکی دوسرے کے لڑکے سے بیاہ دیتا تھا، اور دین مہر آپس مین ادلا بدلا ہو جاتا تھا، یعنی ایک لڑکی کے دین مہر کا معاوضہ دوسری لڑکی بن جاتی تھی اُس کو "نکاح شغار" کہتے تھے، اسلام نے اس قسم کے ادلے بدلے کے نکاح کو ناجائز قرار دیا، اور اُن مین سے ہر ایک لڑکی کو بجاے خود حق دیا، اور ہر ایک کا الگ اور مستقل دین مہر قرار دیکر نکاح کی اجازت دی جسمین سے ایک کے معاملہ کا دوسرے سے کوئی تعلق نہین پہلی صورت عربون کے اس عقیدہ باطل پر مبنی تھی، کہ باپ کو اپنی اولاد کے خرید و فروخت کا کامل اختیار ہے، اسلام نے، اس رسم باطل کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا، اور ہر عورت کو بجاے خود ایک وجود مستقل عنایت کیا،

اولیا، کا ایک ظالمانہ دستور یہ تھا کہ وہ اپنی لڑکیون کو جس کو چاہتے تھے حوالہ کر دیتے تھے اس مین اُن کی مرضی کو کوئی دخل نہ تھا، اسلام نے اولیاء کے اس حق کو بھی باطل کیا، اور کہا کہ "عورتون کا نکاح اُن کی مرضی دریافت کیے بغیر نہ کیا جائے" اس کے متعلق متعدد حدیثین گذشتہ سلسلون مین گذر چکی ہین اسی پُرانے دستور کے مطابق اسلام مین بھی اولیاء نے اپنی لڑکیون کا اُن کی رضامندی کے خلاف نکاح کیا، لیکن جب اس قسم کا معاملہ آنحضرت صلعم کے سمع مبارک تک پہنچا تو ہمیشہ آپ نے لڑکیون کی طرفداری کی اور اُن کا چھینا ہوا حق اُن کو واپس دلایا (یہ واقعات اوپر گذر چکے ہین) انھین واقعات مین سے ایک واقعہ معقل بن یسار صحابی کی بہن کا ہے جو صحیح بخاری وغیرہ مین مذکور ہے، جس کی غلط تاویل کر کے امام شافعی وغیرہ اس کے اُلٹے معنی قرار دیتے ہین، واقعہ یہ ہے کہ معقل بن یسار صحابی کی ایک بہن تھین

اُنھون نے اُن کا نکاح ایک مرد سے کر دیا تھا، تھوڑے دنون کے بعد اُس نے اُن کی بہن کو رجعی طلاق دی، طلاق دینے کے بعد اُس کو اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی، اور اُس نے چاہا کہ اپنی بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت مین لے آئے، بیوی بھی اپنے شوہر کی طرف مائل تھین اور دل سے وہ چاہتی تھین کہ وہ پھر اس کی زوجیت مین چلی جائین مگر مجبور تھین کہ اُن کے بھائی زبردستی روکتے تھے، اور کسی طرح اُن کو اپنے شوہر کے پاس جانے نہین دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک دفعہ ہم نے اس کی یہ عزت کی کہ اپنی بہن اس کی زوجیت مین دی اور اُس نے ہماری یہ بےعزتی کی کہ اُس کو طلاق دیدی، اب پھر اُس کو یہ عزت نہ دون گا، اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی،

فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف (بقرہ ۳۰) — عورتون کو اپنے شوہرون سے نکاح کرنے سے نہ روکو، اگر وہ آپس مین نیکی کے ساتھ راضی ہو چکے ہین،

حضرت معقل کہتے ہین کہ یہ آیت اتری تو ہم نے فوراً اپنی بہن اس کے نکاح مین دیدی،

اس آیت پاک نے عورتون کے خلاف مرضی اولیاء کے ناجائز تصرف اور زبردستی کے حق کو یکقلم موقوف کر دیا، بلکہ اسی آیت پاک مین بھی واضح کر دیا گیا، کہ نکاح کی اصلیت صرف مرد و عورت کی بھلائی اور نیکی کے ساتھ باہمی رضامندی ہے، دین مہر اور دو گواہون کا وجود جو دوسری آیتون سے ثابت ہین یہ نکاح کی اصل حقیقت نہین بلکہ اس کے شرائط ہین، اس آیت پاک نے قطعی طور سے یہ بھی واضح کر دیا کہ نکاح مین صرف انہی کی رضامندی شرط ہے اور وہ مرد و عورت ہین، اُن کے اولیاء کی رضامندی نکاح کی صحت اور جواز کے لیے قطعاً ضروری نہین ہے،

اس کے علاوہ اور بھی دوسری آیتین ہین، جو اسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہین، طلاق کے موقع کی آیت ہے،

فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ ط فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ ط (بقرہ ۲۹) — تو اگر شوہر نے بیوی کو تیسری طلاق دیدی تو وہ پھر اُس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے تو پھر اُس دوسرے شوہر نے بھی اسکو طلاق دیدی تو اس کے پہلے شوہر پر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہین اگر وہ دونون آپس مین دوبارہ نکاح کر لین اگر اُن دونون کو یہ خیال ہو

اس آیت کریمہ مین دو موقعون پر اس حقیقت کا اظہار ہے' پہلا موقع یہ ہے کہ عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ طلاق کے بعد عدت گذرنے پر، کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے' یہ نہین کہا گیا کہ اس کا ولی اس کا نکاح کردے دوسرا موقع یہ ہے کہ اس دوسرے شوہر نے اگر طلاق دیدی تو کہا گیا کہ مرد اور عورت اگر چاہین تو وہ پھر آپس مین نکاح کرسکتے ہین' یہان بھی انھین دونون کی رضامندی کا ذکر کیا گیا، ولی کی رضامندی کا مطلق ذکر نہین ہے'

اسی طرح جس عورت کا شوہر مرجائے' اس کو چار مہینے دس دن کی عدت گذارنے کے بعد یہ پورا اختیار دیا گیا کہ وہ جس سے چاہے اپنی شادی کرے' شوہر کے اولیا کو اور نہ خود عورت کے اولیا کو اسمین مداخلت کا کوئی حق حاصل ہے' فرمایا گیا،

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	توجب وہ اپنی عدت کو ختم کرلین تو تم پر کوئی گناہ نہین وہ اپنی
فِيْمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ	ذات کے معاملہ مین بھلائی کے ساتھ جو کچھ کرین اور جو کچھ تم کرتے ہو
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (بقرہ ۳۰)	اللہ اس سے واقف ہے

عدت کے درمیان اس کی اجازت نہین کہ عورت سے خفیہ دوسرے نکاح کی بات چیت کی جائے' بلکہ علانیہ اور دستور کے مطابق کی جائے' اس موقع پر آیت ہے

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا	مگر عورتون سے چپ چاپ نکاح کا وعدہ نہ کرو لیکن
مَّعْرُوْفًا (بقرہ ۳۰)	یہ کہ عمدگی کے ساتھ ان سے تذکرہ کرو،

دیکھو کہ اس موقع پر بھی عورت سے نکاح کرنے کی بابت خود عورت ہی سے تذکرہ نے کی اور اس سے استمزاج کی صورت بیان فرمائی' یہ نہین فرمایا کہ اس سے نہین بلکہ اُس کے ولی سے اس کا ذکرو، اور اُن کا استمزاج لو،

عورت اور اس کے اولیاء کی رضامندی اگر ضروری ہے تو پیغمبر کے لیے بھی وہ ویسی ہی ضروری تھی، جیسی عام مسلمانون کے لیے' قرآن پاک مین آپ کو خاص طور سے اجازت صرف اس بات مین ہے کہ آپ دینِ مہر کے بغیر بھی کسی عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کرسکتے تھے' گو آپ نے کبھی ایسا نہین کیا' اور عام مسلمانون کے لیے دینِ مہر ضروری ہے' اُس کے بغیر نکاح نہین کرسکتے' دیکھو کہ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے صرف عورت کی رضامندی کا ذکر فرمایا' اور اولیاء کی رضامندی کو اس مین کوئی دخل نہین دیا،

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ	[illegible]	(ہم نے تیرے لیے فلان فلان قسم کی عورتون کو حرف جائز کیا ہے)
نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا		اور کوئی مسلمان عورت ہو اُسکو جائز کیا اگر وہ اپنے آپ کو نبی کو بخشدے
خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ،		اگر نبی بھی چاہا کہ اس سے نکاح کرے' یہ حکم خاص تیرے لیے ہے عام مسلمانون
(احزاب ۶)		کیلیے نہین' (یعنی نکاح کی یہ تمام قیدین صرف تیرے لیے ہین عام مسلمانون کو

عقد نکاح کی طرح فکِ نکاح یعنی کسی شوہر کے نکاح سے علحدہ ہونا بھی زندگی کا اہم واقعہ ہے' قرآن پاک نے اس کے لیے تنہا عورت کی مرضی کافی سمجھی ہے' اُس کے اولیاء کی مرضی پر اس کو منحصر نہین رکھا ہے' فرمایا،

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط	مرد اور عورت پر اس مین گناہ نہین کہ عورت شوہر کو کچھ دیکر
(البقرہ ۲۹)	اس سے اپنے کو چھڑالے'

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کرنے نہ کرنے' اس کے باقی رکھنے یا توڑ ڈالنے مین صرف عورت کی مرضی کافی ہے' اس کے اولیاء کی رضامندی قانوناً ضروری نہین'

اِن آیات کے بعد احادیث پر غور کیجیے' آنحضرت صلعم حضرت ام سلمہؓ سے جو آپ کے رضاعی بھائی کی بیوہ تھین' اور صاحبِ اولاد تھین' نکاح کرلینا چاہتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ میرے اولیاء یہان موجود نہین ہین' فرمایا تمھارے اولیاء خواہ یہان موجود ہون یا نہ ہون اُن مین سے کوئی اس نکاح کو ناپسند نہ کریگا' یہ سنکر ام سلمہؓ نے اپنے چھ سات برس کے نابالغ لڑکے عمر کو (مزاحاً) کہا کہ عمرؓ اٹھو' اور میرا نکاح آنحضرت صلعم سے کردو' چنانچہ یہ نکاح ہوگیا' جسمین عورت کی طرف سے کسی ولی کی رضامندی کیا' کسی ولی کی شرکت بھی نہ تھی' سب کو معلوم ہے کہ چھ سات برس کا نابالغ لڑکا ماں کا ولی نہین ہوسکتا' یہ بھی تاویل نہ کی جائے کہ آنحضرت صلعم تمام مسلمانون کے

ولی تھے، اس لیے آپ نے اپنی ولایت مین یہ نکاح کیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ حضرت ام سلمہؓ کی معذرت پر یہ کہنے کے بجائے، تمھارا کوئی ولی اس کو ناپسند نہ کریگا، یہ فرماتے کہ تمھارا ولی جائز مین ہون اور مین اجازت دیتا ہون حالانکہ آنحضرت صلعم نے ایسا نہین فرمایا، قرآن پاک مین آپ کی جس ولایت کا ذکر ہے کہ

النَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (احزاب ۱) نبی مسلمانون سے خود ان کی اپنی جانون سے زیادہ قریب ہے،

اس سے ولایت ملکیت نہین بلکہ ولایت نبوت مراد ہے جسکا تعلق روحانی ہے، جسمانی نہین، اس کا منشا پیغمبر کے احکام کی اطاعت ہے پیغمبر کا اپنی امت کی جان و مال پر قانونی تصرف نہین، تمام علماء اور مفسرین نے یہی لکھا ہے، نیز السلطان ولی من لا ولی لہ کی تاویل بھی نہین پیش کی جاسکتی، یعنی یہ بھی نہین کہا جاسکتا کہ اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ جس کا کوئی ولی نہو تو سلطان وقت اس کا ولی ہوتا ہے، کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ام سلمہ کے جواب مین یہی فرماتے، نیز یہ کہ یہ تو اس کے لیے ہے جس کا کوئی ولی زندہ موجود نہو، یا اگر موجود ہو تو اتنا دور ہو کہ اس کے آنے تک لڑکی کے نقصان عظیم کا اندیشہ ہو اور یہ صورت یہان نہین ہے، حضرت ام سلمہؓ کے اولیا زندہ تھے، موجود تھے، انکی آمد کے انتظار مین کسی نقصان عظیم کا اندیشہ بھی نہ تھا،

احادیث صحیحہ مین ایک اور عورت کا قصہ مذکور ہے، آنحضرت صلعم صحابہ کی مجلس مین تشریف فرما تھے، ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلعم مین اپنے آپ کو آپ کی خدمت مین پیش کرتی ہون، آپ نے اس کو نیچے سے اوپر تک دیکھا، اور فرمایا مجھے تو ضرورت نہین ہے، ایک صحابی بیٹھے تھے، انھون نے خواہش کی کہ یہ میری زوجیت مین دیدی جائے، آپ نے فرمایا تمھارے پاس کچھ ہے بھی؟ عرض کی کچھ نہین، پھر دریافت فرمایا کہ تم کو کچھ قرآن یاد ہے؟ گذارش کی کہ فلان فلان سورہ یاد ہے، فرمایا جاؤ اس قرآن کے بدلہ مین مین نے تمھاری زوجیت مین اس کو دیدیا، یہ نکاح ہوگیا، اب غور کیجئے کہ اگر نکاح کے لیے عورت کے ولی کی رضامندی اور اس کے ذریعہ سے نکاح کا معاملہ طے ہوتا، یا خود اسی کا نکاح پڑھانا ضروری ہوتا تو اس طرح یہ نکاح کبھی منعقد ہو سکتا، کم از کم آپ یہ تو دریافت فرما لیتے کہ تمھارا کوئی ولی بھی ہے؟ اس کی رضامندی اور اجازت بھی حاصل کر لی ہے؟ اور جب یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی ولی نہین ہے، تو اپنی ولایت مین نکاح پڑھاتے مگر یہان تو صورت یہ ہے کہ عورت نے آپ کو اپنا وکیل بنا دیا اور آپ نے

اس وکالت کے حق سے اس کا نکاح پڑھا دیا، ولی کا سوال بھی درمیان مین نہین آیا،

وہ حدیث جس مین بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کو باطل کہا گیا ہے، معلوم ہو چکا کہ اس کو حضرت عائشہؓ کی طرف راوی نے منسوب کیا ہے، اس حدیث کی کمزوری پہلے بخوبی ثابت کی جاچکی ہے، مگر اس موقع پر نہایت صحیح ترین روایت سے خود حضرت عائشہ کا طرز عمل اس کے خلاف دکھایا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمن ابن ابی بکر اپنے بھائی کی لڑکی یعنی بھتیجی حفصہ کا نکاح اپنے بھانجے منذر بن زبیر سے کر دیا، لڑکی کے باپ عبدالرحمن شام مین تھے، عبدالرحمن جب شام سے واپس آئے تو انھون نے اس کو برا مانا کہ لڑکی کے نکاح مین خود باپ سے مشورہ نہ لیا جائے، انھون نے شکایت کی کہ

ومثلی یصنع ھذا بہ ومثلی یفتات علیہ مجھ جیسے کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، مجھ جیسے کو چھوڑا جاسکتا ہے،

(موطا امام مالک ما لا یبین من التملیک)

حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمان کی اس خفگی کا تذکرہ منذر (شوہر) سے کیا، منذر نے اس خانہ جنگی کے رفع کرنے کے لیے یہ کہا کہ عبدالرحمان کو اختیار ہے وہ طلاق دیدین، عبدالرحمان نے یہ سن کر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ جو آپ کر چکین مین اس کو رد نہین کر سکتا،

یہ روایت موطا امام مالک کی ہے، اس کے راوی مالکؒ، عبدالرحمن بن قاسمؒ اور قاسمؒ ہین، قاسم مدینہ کے سات مشہور فقہاء مین سے ایک ہین، بیچ مین صرف یہی دو راوی ہین، اور دونون حضرت عائشہؓ کے عزیز اور اس واقعہ سے خاص تعلق رکھنے والے ہین، اس سے زیادہ مستند طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

اس روایت سے حسب ذیل نتیجے نکلتے ہین،

۱- اگر درحقیقت اس روایت کی کہ "جو نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہو، وہ باطل ہے" وہ راوی ہوتین اور ان کو اس کا علم ہوتا، کیا کوئی قیاس کر سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ عزت و آبرو کے ایسے نازک معاملہ مین ایسا غیر شرعی نکاح جائز رکھتین، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی روایت کی نسبت ان کی طرف قطعاً غلط ہے اور عاقل و بالغ لڑکی کے

نکاح کے لیے ولی کی موجودگی اور رضامندی کی کوئی ضرورت نہیں،

۲۔ نکاح کا معاملہ کوئی مخفی اور چھپے چوری کا نہیں ہوتا، اعلان اور اشتہار کے ساتھ وہ محفلِ عام میں منعقد ہوتا ہے، اس عہد کا مدینہ صحابہؓ فقہاء ائمہ مجتہدین اور علماء کا مرکز اور منبع تھا، کیا یہ ممکن تھا کہ ایسا خلافِ شرع نکاح اس عہد میں سب کے سامنے پڑھایا جاتا اور وہ خاموش رہتے اور اس کو جائز سمجھتے،

۳۔ قاعدہ ہے کہ جو معاملہ سرے سے باطل ہوتا ہے، وہ جب تک از سرِ نو نہ کیا جائے درست نہیں ہوتا اور اسکے ذریعہ کوئی حاصل شدہ اختیار شرعی اختیار نہیں ہوتا، اس بنا پر حضرت حفصہ اور منذر کا یہ نکاح جو بغیر ولی کے ہوا تھا، باطل ہوا۔ ایسی صورت میں منذر کو یہ اختیار کہاں سے ہاتھ آسکتا تھا کہ وہ اپنی طرف سے طلاق کا اختیار لڑکی کے باپ عبد الرحمان کو دے سکتے، نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی تملیک کی کیا صورت ہے؟

۴۔ چونکہ یہ نکاح مخالف کے قول کے مطابق باطل تھا تو اس کے جواز کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ عبد الرحمان اپنی اجازت اور ولایت سے دوسری دفعہ نکاح کر دیتے، اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ پہلا ہی نکاح قائم رکھا حالانکہ وہ اگر پہلے باطل تھا تو اب درست نہیں ہو سکتا تھا یہی امام شافعی کا مسلک ہے لیکن یہاں وہی پہلا نکاح ہے اور وہ درست صحیح تسلیم ہو رہا ہے اور اسمین نہ ولی کا وجود ہے اور نہ نکاح کے وقت انکی رضامندی حاصل کی گئی ہے،

۵۔ جن الفاظ میں لڑکی کے باپ عبد الرحمان بن ابی بکر صدیقؓ نے جو خود بھی صحابی تھے اپنا اعتراض اس نکاح کے متعلق پیش کیا ہے کہ مجھ جیسے شخص کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، مجھ جیسے شخص کو چھوڑا جاتا ہے، اُن سے صاف ظاہر ہے کہ عاقل و بالغ لڑکی کا اپنے مقابلہ میں باپ کی رضامندی حاصل کر لینے کا مسئلہ قانونی نہیں، بلکہ اخلاقی حیثیت رکھتا ہے اسی بنا پر اس کے متعلق وہ کوئی شرعی اعتراض نہیں بلکہ اپنی شرافت اور امتیازِ شخصیت کی حیثیت کو پیش کرتے ہیں؛

مؤطا امام مالک میں حضرت عمر بن الخطابؓ کا ایک اثر حضرت سعید بن مسیبؒ کے واسطہ سے بلا فاصلہ کی صورت میں مذکور ہے، یہ اثر کتب مصری کے نسخہ مؤطا میں حسب ذیل الفاظ میں ہے،

لا تنکح المرأۃ الا باذن ولیھا اوذی الرأی من | عورت سے نکاح نہ کیا جائے (یا عورت نکاح نہ کرے) لیکن اپنے ولی یا اپنے

اھلھا او السلطان (باب استیذان البکر والایم) | ولی یا اسکے (یا اپنے) خاندان کے اہل الرائے یا حکومت کی اجازت سے

اس اثر کے یہ الفاظ اور یہ تردیدی صورتیں اس کے قانونی ہونے کے بجائے اس کی اخلاقی صورت کو بخوبی نمایاں کرتی ہیں، خصوصاً اگر اسی روایت کے اُن الفاظ کو سامنے رکھا جائے جو امام محمدؒ کے نسخۂ مؤطا میں ہیں؛

لا یصلح لامرءۃ ان تنکح الا باذن ولیھا او ذی الرأی من اھلھا او السلطان (باب النکاح بغیر ولی) | کسی عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بغیر اپنے ولی یا اپنے خاندان کے اہل الرائے یا حکومت کی اجازت کے نکاح کرے،

نامناسب ہونا اور ناجائز ہونا، دو مختلف مفہوم ہیں، نامناسب ہونا اخلاقی حیثیت کو اور ناجائز ہونا قانونی حیثیت کو واضح کرتا ہے، اگر ولی کی رضامندی قانوناً ضروری ہوتی تو خاندان کے کسی اہل الرائے کے مشورہ کی اجازت نہ ہو سکتی کہ ولی جائز کے علاوہ خاندان کے دوسرے اہل الرائے افراد کی اجازت اور ان سے مشورہ لینا صرف اخلاقی ہے،

اصل یہ ہے کہ چونکہ عورتیں باہر کم آتی جاتی ہیں بیگانہ مردوں سے واقفیت کا ان کو موقع نہیں ملتا، اور ضرورت ہے کہ نکاح سے پہلے مرد کی حالت کے متعلق پوری واقفیت حاصل کر لی جائے، اس لیے ولی، یا کسی صاحب الرائے ہمدرد رکن خاندان سے عورت اس میں مشورہ کرے، تو بہتر ہے، مسئلہ کی اتنی ہی حقیقت ہے کچھ اور نہیں، اسی لیے صاحب الرائے ہونے کی اس روایت میں قید ہے ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی،

صحیح ابن خزیمہ اور طحاوی میں حضرت عائشہؓ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے ایک بھتیجے کا نکاح اپنی ایک بھتیجی سے اس طرح کیا کہ ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ کھڑا کیا، پھر انھوں نے گفتگو کی یا کچھ خطبہ پڑھا، جب اصل نکاح کے سوا کچھ اور باقی نہ رہا تو ایک شخص کو انھوں نے حکم دیا، اُس نے نکاح پڑھا پھر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ نکاح پڑھانا عورتوں کا کام نہیں لیس الی النساء النکاح، اس نکاح میں بھی ولی کی کوئی تلاش نہیں ہوئی، نکاح بھی کسی غیر نے پڑھایا، مگر خود لڑکی پردہ کے آڑ میں موجود تھی اس لیے کسی ولی یا وکیل کی حاجت نہ تھی،

رفاعہ ایک صحابی تھے، انھوں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، بیوی نے عدت کے بعد دوسرا نکاح کر لیا یہ خود آنحضرت صلعم کے عہد کا واقعہ ہے اور اس کے بعد اس نکاح کا واقعہ آپ کی خدمت میں بھی پیش بھی ہوا، پھر حلال

اس موقع پر موطا امام مالک میں یہ الفاظ ہیں:

فنکحت عبدالرحمن بن الزبیر (نکاح المحلل) — تو اس عورت نے عبدالرحمان بن زبیر سے نکاح کر لیا،

اس سے ثابت ہوا کہ یہ نکاح بھی ولی کے وجود سے سراسر خالی تھا، تاہم جائز قرار پایا،

ان واقعات سے قطع نظر کرکے ان منصوص احکام کو دیکھیے جو اس بارہ میں خاص طور سے مروی ہیں، اور

بسند صحیح ثابت ہیں،

الایم احق بنفسہا من ولیہا (موطا، ترمذی، نسائی) — بے شوہر کی عورت اپنی ذات پر اپنے ولی کی نسبت زیادہ حق رکھتی ہے،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا (صحیح مسلم و نسائی) — ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی ذات کی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے،

پہلی حدیث میں ایم (بے شوہر کی عورت) کا لفظ ہے، جو کنواری، بیوہ اور مطلقہ ہر ایک کے لیے عام ہے، اور دوسری

حدیث میں ثیب (ایک دفعہ کی بیاہی عورت) کا لفظ ہے، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عاقل و بالغ کنواری اور بیوہ

و مطلقہ کے نکاح میں ان کے اولیا کی رضامندی قطعاً ضروری نہیں ہے اس بنا پر حدیث لانکاح الا بولی (کوئی

نکاح بغیر ولی کے نہیں) گر ثابت ہو جائے تو وہ یقیناً اپنے عموم پر باقی نہیں رہیگی، بلکہ اُسکو بے عقل اور نابالغ لڑکیوں کے

ساتھ مخصوص کرنا پڑیگا، یا اس کے یہ معنی قرار دینے ہوں گے کہ لڑکی کے نکاح کا معاملہ اس کے ولی کے ذریعہ سے انجام

دیا جائے، اور یہ حکم قانونی نہیں بلکہ محض اخلاقی قرار پائے، اگر ایسا نہ کیا جائیگا، تو قرآن پاک اور مستند احادیث و آثار کے یہ

خلاف ہوگا، اور یہ اُس کے ضعف بلکہ نامستند ہونے کا مزید ثبوت بن کر اس کے ساقط الاعتبار ہونیکا باعث بن جائیگا،

معاملات میں جس ولی کی جس موقع پر ضرورت ہوتی ہے قرآن پاک میں اس کی تصریح موجود ہے، چنانچہ معاملات

قرض کے سلسلہ میں ہے کہ قرضدار ایک اقرار نامہ لکھ کر قرضخواہ کے حوالہ کرے، اس اقرار نامہ کی عبارت خود قرضدار کو لکھانی

چاہیے، اور اگر قرضدار نابالغ اور نا سمجھ اور لکھانے کے قابل نہ ہو تو اس کی طرف سے اُس کا ولی اس قرض کو ادا کرے، آیت مذکورہ یہ ہے،

فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ (بقرہ ۳۹)

جس پر حق واجب الادا ہو یعنی مقروض قرضدار، اگر وہ بے عقل ہو یا نابالغ ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو (مثلاً گونگا ہو) یا نہایت کمزور ہو تو اس کا ولی اسکو انصاف کے

اس آیت پاک نے واضح کر دیا کہ ولایت کی ضرورت کن لوگوں کے لیے ہے جو نابالغ ہو یا بالغ ہونے کے باوجود

خدا نخواستہ بیوقوف یا پاگل یا مخبوط الحواس ہو یا وہ اقرار کے اظہار پر جسمانی قدرت نہ رکھتا ہو، اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہو کہ نکاح کی

ولایت کا حق بھی انھیں اصناف کی لڑکیوں کے لیے ہوگا یعنی جو نابالغ ہو یا خدا نخواستہ بیوقوف یا پاگل ہو یا اپنی رضامندی کے اظہار کی کسی طرح استطاعت نہ رکھتی ہو،

جب ہماری فقہ مرتب ہو رہی تھی، اس وقت ہمارے علما کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہ ہوگا کہ کوئی زمانہ ایسا

آئے گا جب دنیا میں کوئی ایسا ملک ہوگا جہاں لاکھوں اور کروڑوں مسلمان سکونت پذیر ہوں گے، لیکن نہ وہاں

سلطانِ اسلام ہوگا اور نہ قاضی ہوگا، اس بنا پر اُنھوں نے یہ طے کر دیا تھا کہ اگر کوئی بے ولی کی یتیم لاوارث لڑکی

ہو تو اس کا ولی سلطانِ وقت یا اس کا قائم مقام امیرِ شہر یا قاضیِ شہر ہوگا، لیکن ہماری شامتِ اعمال سے اب

دنیا کے اکثر ملکوں میں جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے یہ صورتِ حال ہے کہ نہ وہاں کوئی سلطانِ اسلام ہے، نہ امیرِ شہر ہے

اور نہ قاضی ہے، اگر آج فقہ شافعی کے مطابق ہر عورت کے نکاح کے لیے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ، بالغ ہو یا نابالغ ولی کا ہونا اور

ولی نہ ہو تو سلطان یا امیر یا قاضی کا ہونا ضروری اور لابدی قرار دیا جائے، تو آج غیر اسلامی ملکوں میں لاکھوں لاوارث بالغ

لڑکیوں کا نکاح غیر ممکن ہو جائے، اور آج غیر اسلامی ملکوں کے یتیم خانوں میں جو نکاح بالغ یتیم لڑکیوں کے پڑھا دیے جاتے

ہیں وہ سب بکلم ناجائز کر دینے پڑیں، اس لیے آج شوافع کو بھی اس سے چارہ نہیں کہ اس مسئلہ میں مصلحۃً وہ حنفی فقہ کو قبول

کریں جس طرح احناف نے مصلحۃً کبھی دوسرے اماموں کے فتووں کو اختیار کیا ہے،

الغرض ان تفصیلاتِ بالا کا نتیجہ یہ ہے کہ نکاح کی اصلی اور شریفانہ اور افضل صورت یہ ہے کہ لڑکی کے ولی

کو پیام دیا جائے، اور ولی لڑکی کی مرضی دریافت کر کے اگر وہ راضی ہو تو اس کا نکاح کر دے، صحیح بخاری میں حضرت

عائشہؓ سے نکاح کی بہترین صورت یہی مروی ہے، آنحضرت صلعم کی نسبت بیان ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کا نکاح جب

پڑھاتے تھے کہ لڑکی کے پردہ کے پاس بیٹھ جاتے تھے، اور لڑکے کا ذکر کرتے تھے، اور پھر نکاح پڑھا دیتے تھے، لیکن اگر کسی وجہ سے

کوئی عاقل و بالغ لڑکی ولی کی وساطت اور اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے، تو وہ شرعاً ناجائز نہ ہوگا،

باقی

—————(۰)—————

مدینۃ الزہراء

از

منشی خلیل الرحمن صاحب مترجم نفح الطیب و اخبار الاندلس

اندلس کے متعلق اپنی تالیفات کے سلسلہ میں ایک مدت سے یہ آرزو ہے کہ رجال الاندلس سے پہلے آثار الاندلس لکھ ڈالوں جس میں اُن آثار کو لیا جائے جو اس وقت اندلس میں مسلمانوں کی یادگار ہیں، میں نے قریباً ڈھائی سو ایسے آثار ڈھونڈھے ہیں مگر ظاہر ہے کہ اس کی تکمیل بغیر اندلس گئے ہوئے نہیں ہو سکتی، ایک بڑی ریاست کے ایک بڑے آدمی بھی آثار کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، میں نے چاہا کہ ان سے کچھ مدد لوں مگر سوائے اس کے کہ "میرے لکچر چھپنے والے ہیں ان کو دیکھ لو" بار بار کی یاد دہانی پر بھی جواب نہیں ملا، وہ لکچر نہ آج چھپے ہیں نہ کل اس طرف سے مایوس ہوں خاص کر اس لیے کہ جو لکچر دیے گئے ہیں ان میں سوائے پکچر پوسٹ کارڈوں کے کچھ نہیں دکھلایا گیا، میں نے جناب ممدوح الشان کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میں نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ خود لے لیں مگر اس کا بھی جواب نہیں ملا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
ذیل کے اوراق اپنے مسودے سے شائع نقل کر کے بھیجتا ہوں شاید کسی کو پسند آجائیں اور میری محنت ٹھکانے لگ جائے

ہندوستان کے پرانے دار السلطنتوں کے قرب وجوار میں اور اکثر قصبات کے جنگلوں میں بہت سے ٹوٹے پھوٹے برج شکستہ ٹکڑے نظر آتے ہیں، ان میں سے بعض بچ رہے ہیں اور بیشتر وہ ہیں جن کی دستبرد زمانہ اینٹ سے اینٹ بجا رہی ہے گو بہت سے ایسے بھی ہوں گے جن پر فرسودگی کے ناخن کا ابھی تک اثر نہیں پڑا ہے، اور شاید وہ تو نہ پڑے لیکن ان کے مکینوں کو اگر تلاش کیجیے تو بیشتر اکثر کا پتہ نہیں ملیگا، پیران کہن سال بھی اپنے حافظہ پر زور ڈال کر نہیں بتلا سکیں گے کہ یہ کس کی قبر ہے، قیاس صرف اتنا بتلا سکتا ہے کہ اس میں

نہ یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ — تم کو موت پالیگی گو تم مضبوط گنبد دار میں ہو،

کوئی گردن کش مدفون ہے یا کوئی خدا رسیدہ، نوم العروس میں ہے، ایک حساس دل رکھنے والا راہرو جب ادھر سے گذرتا ہے اور بصد حسرت "چہ برتخت مردن چہ بر روی خاک" پرایان لا کر ہاتھ اٹھاتا ہے اور مرنے والے کے لیے خواہ کوئی ہو دعائے مغفرت کر کے راہی ہو جاتا ہے، بلاشبہ نام و مٹ گیا، نشان باقی تھا کہ اس نے کسی کا تو ہاتھ اٹھوا دیا، قابل رحم حالت ہے اُن کی جن کے نام و نشان مٹ گئے، اب اس میں خواہ کوئی شہر کا شہر ہو یا ایک فرد واحد

میں نے ابھی شہر کہا ہے، گمان غالب ہے کہ اہل ہند کا خیال فتحپور سیکری کی طرف منتقل ہو، مگر میرا مد نظر یہ شہر نہیں ہے کیونکہ اس پر داغ دل کے پھول چڑھانے والے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں نیز اس کا نام و نشان دونوں باقی ہیں؟ اور جب تک یہ دونوں باقی ہیں آہ پر درد چشم اشکبار دل حسرت زا دوران کے ساتھ دعائے مغفرت کی کمی نہیں، میرا مقصود ایک اور شہر ہے جو ایک وقت میں اپنا آپ ہی نظیر تھا، اگر تھا تو ایک فردوس ہی اس کے مثل تھا وہ مٹ گیا اور اپنوں ہی کے ہاتھوں مٹ گیا، اس کی مری مٹی پر کسی اپنے کا گذر نہیں، نہ کسی اپنے کا خیال ہی اس تک پہونچتا ہے کہ اس کے لیے کوئی دست دعا ہی اُٹھا دے، اس کی خاک پاک پر اگر کسی کا قدم پہونچتا ہے تو دشمن کا جو اس کی پامالی پر شاد و خرم ہے، وہ شہر ہے مدینۃ الزہرا جو ملک اندلس (اسپین) میں خاک کے برابر ہو گیا (میں نے دانستہ تودہ خاک نہیں کہا کیونکہ حقیقت میں اس کے تودے بھی نہیں ہیں)

اگر دو روز کی گلگشت سے آپ سیر ہو چکے ہیں، در تماشائے گل و ریاحین میں آپ کو کوئی نئی چیز نظر آئے تو آئیے آج اس ویرانہ کی طرف چلیے، یہاں آپ کی دلچسپی کا نیا سامان ہے اور آپ کی دلبستگی کا نیا مشغلہ!

مدینۃ الزہرا وہ میدان ہے کہ جس کی بنا اعجوبۃ الدہر تھی، یقین کیجیے کہ جب سے خدائے تعالیٰ نے اس عالم کون و فساد کو پیدا کیا ہے کسی فرد بشر کو اس جیسی بنا کا خیال نہیں آیا اور جب سے مادر گیتی نے

عقولِ انسانی پیدا کی ہیں کسی انجینیر کے ذہن میں وہ نقشہ نہین آیا جو اس شہر کا تھا[1]......"

مدینۃ الزہرا مرحوم قرطبہ کے حوالی مین تھا، قرطبہ خود اپنے علم و تمول وغیرہ کی وجہ سے کچھ کم قابلِ شہرت نہ تھا، مدینۃ الزہرا اس کی مزید شہرت کا باعث ہوا ایک شاعر کہتا ہے،

بأربعۃ فاقت الامصار قرطبۃ	منهن قنطرۃ الوادی وجامعها[2]
هاتان ثنتان والزهراء ثالثۃ	والعلم اعظم شئ وهو رابعها

قرطبہ چار چیزون سے تمام شہرون پر فوقیت لے گیا ہے، ان مین سے ایک اسکا پل ہے، دوسری جامع مسجد، تیسری زہرا، اور چوتھی چیز اس کا فضل و کمال ہے جو سب سے بلند رتبہ ہے،

عبدالرحمن الداخل کے سپوت افتخار الدین والدنیا عبدالرحمن ثالث کا زمانۂ باسعادت ہے، بغداد کی خلافت عباسیہ اس حالت تک پہونچ چکی ہے کہ عامۂ مسلمین کی حمایت و حفاظت تو اس سے بہت دور ہے، وہ خود اپنی ہستی کے بچانے کی بھی فکر نہین کر سکتی، خلیفۂ بغداد ایک تکیہ کا سجادہ نشین یا شاہِ شطرنج ہے، خلافت کا آخری سانس ہے کہ چل رہا ہے، یہ حالت دیکھ کر اس شیرِ نیستانِ اسلام کا دل مسلمانون کی حالتِ زار پر بھر آتا ہے، پہلے خود استخارۂ مسنونہ کرتا ہے، پھر عقلا و علمائے قرطبہ بلکہ تمامی اندلس سے مشورہ کرتا ہے اور سب کو متفق اللفظ پا کر ۳۱۶ھ مین خود اپنے لیے "امیر المومنین" کا لقب اور "الناصر لدین اللہ" کا خطاب اختیار کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قسامِ ازل نے یہ خطاب یومِ الست سے اسی شخص کے لیے مخصوص و محفوظ رکھا تھا، اُس کے قدوم سے تختِ خلافت مغربی کو سرفراز ہوئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ دشمنانِ اسلام مقہور و پامال ہو جاتے ہین، تاریخِ تخت نشینی سے

[1] تاریخ اندلس مصنفہ ضیا پاشا، ص ۴۴۲

[2] لکل امۃ اجل اذا جاء اجلهم لا	ہر قوم کے لیے ایک مدت مقرر ہے جب ان کی مدت مقررہ آجاتی
یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون (۱۹/۱)	ہے تو وہ ایک گھنٹہ کا آگا پیچھا نہین کر سکتے،

پچیسوین اور تاریخِ خلافت کے پانچوین برس ان کی ایک کنیز نہایت بیش قرار دولت چھوڑ کر داعیِ اجل کو لبیک کہتی ہے اور آخری دم یہ وصیت کر جاتی ہے کہ جو کچھ میری ملکیت ہے اُس سے مسلمان قیدیون کا زرِ فدیہ دیکر سب کو چھڑا لیا جائے، تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی امیر المومنین تمام ملک فرو سے تحقیقات کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان کہین کسی عیسائی کے قید مین نہین ہے، البتہ عیسائی بہت سے قید مین، اس پر خلیفہ شکرِ نعمت الٰہی بجا لاتے ہین، لیکن تازہ فکر یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ دولت کس طرح خرچ کی جائے، یہ وہ زمانہ ہے کہ امیر المومنین اور اُن کے ساتھ تمام ارکینِ سلطنت کو عمارتین بنوانے اور اپنی یادگارین چھوڑنے کا بہت شوق ہے[1] امیر المومنین کی حرم زہرا اس دولت کا مصرف یہ بتلاتی ہین کہ ایک شہر میرے نام پر بسا دیا جائے، اور اس کو میرے لیے مخصوص کر دیا جائے،[2] یہ رائے امیر المومنین کو اس لیے پسند آئی کہ ایک تو اُن کا شوقِ عمارت پورا ہوتا ہے، دوسرے اُن کی چہیتی بیوی کی فرمایش پوری ہوتی ہے،

یہ ہے مدینۃ الزہرا کی بنا کا قصہ،

مرحوم قرطبہ کے شمال کی جانب شہر سے ایک طرف تین میل اور دوسری طرف سات میل کے فاصلہ پر جبل العروس کے قریب ہی کا میدان اس شہر کے لیے انتخاب کیا گیا خصوصاً اس لیے کہ یہین دریائے وادی الکبیر بہتا تھا، اسی دریا کے کنارے مدینۃ الزہرا کی بنا ڈالی گئی، اسکی قسمت مین حضرت امیر المومنین الناصر لدین اللہ کا

[1] محاضرۃ الابرار مین قاضی سعید بن منذر نے ایک دوسرے پر امیر المومنین کو ان کے انہماک عمارت پر وعظ کہا تو امیر المومنین نے جواب دیا،

همم الملوک اذا ارادوا ذکرها	من بعدهم فبالسن البنیان
بادشاہ لوگ اپنے بعد جب اپنی ہمتون کی شہرت چاہتے ہین تو عمارتون کی زبانون سے چاہتے ہین	
اوما تری الهرمین قد بقیا وکم	ملک محاہ حوادث الازمان
کیا تم نہین دیکھتے کہ دونون ہرم باقی رہ گئے ہین اور کتنے بادشاہون کو حوادثات زمانہ نے مٹا دیا ہے	
ان البناء اذا تعاظم شانہ	اضحی یدل علی عظیم الشان

عمارتین جب عظیم الشان ہو جاتی ہین، تو عظمت و شان پر دلالت کرنے لگتی ہین، نفح الطیب

دار الخلافہ ہونا لکھا تھا، اسی سعادت کی بدولت اس کو اتنی رونق ہوئی کہ باوجود کئی میل کی دوری کے (۳ میل یا ۲ میل) جو شخص قرطبہ سے رات کو مدینۃ الزہرا جاتا وہ دونوں کی میونسپلٹی[1] کے چراغوں ہی کی روشنی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچ جاتا،

مدینۃ الزہرا کی آبادی کے متعلق امیر المومنین کو جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے کسی اور شخص پر اس معاملہ میں اعتماد نہیں کیا بلکہ خود اپنے ولیعہد شاہزادہ الحکم کو مدینۃ الزہرا کی نگرانی پر متعین کیا اور اُن کو ہر چیز کا ذمہ دار قرار دیا، ممکن ہے کہ یہی وجہ ہو کہ امیر المومنین الحکم (المستنصر) خلافت کے بعد اسی شہر میں رہے اور اس میں اپنے زمانہ میں بہت کچھ اضافے کیے،

عبد اللہ بن یونس اور علی بن جعفر الاسکندرانی جیسے جلیل القدر انجینیروں کو قرطاجنہ افریقیہ تونس وغیرہ سے پتھر لانے پر مقرر کیا گیا، صرف یہی نہیں کہ ان کو تنخواہ ہی دی جاتی ہو بلکہ ہر پتھر پر جو وہ پسند کر کے بہم پہونچاتے تھے اُن کو تین دینار اور ہر ستون پر آٹھ دینار انعام ملتا تھا، افریقیہ سے ۱۰۱۳ اور روم سے ۱۹ ستون آئے، بادشاہ قسطنطنیہ نے ۱۴۰ ستون بہم پہونچائے، ترکونہ وغیرہ مقامات سپین سے جو ہزاروں ستون اور پتھر آئے، وہ ان کے علاوہ ہیں، تمام عمارات میں ۴۳۱۶ چھوٹے بڑے ستون لگائے گئے، عمارت قصر میں ۱۵۰۰ دروازے تھے، یہ صرف وہ دروازے ہیں جن پر لوہا اور سونا چڑھا ہوا تھا، اس میں جو پتھر خرچ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ باوجودیکہ تعمیر برسوں جاری رہی، مگر ہر روز چھ ہزار پختہ تراشیدہ اور جلا کردہ پتھر خرچ ہوتے تھے،

---

[1] میں نے میونسپلٹی غلط نہیں کہا، قرطبہ (و دیگر امصار اندلس میں بھی؟) محکمۂ صفائی تھا اور اس کے ذمہ نہ صرف روشنی بلکہ صفائی بھی تھی، مسٹر سکاٹ لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں قرطبہ میں ایک محکمہ اس کام کے لیے علیحدہ تھا، اسی زمانہ میں پیرس اور لندن جیسے شہروں میں اکثر اشخاص سور پال لیتے تھے اور ہر شش ماہی یا سہ ماہی کے بعد ایک ایک علاقہ شہر میں یہ سور چھوڑ دیے جاتے تھے، وہی تمام گندگی کو چر جاتے تھے، میری رائے ناقص میں یہ امر کچھ قابلِ فخر نہیں ہے کہ ہمارے اجداد کیسے ترقی یافتہ تھے، قابلِ عبرت تو بات یہ ہے کہ ہم نے کہاں سے کہاں رجعت کی اور غیروں نے کتنی ترقی کی، تفصیل کے لیے میری اخبار الاندلس ملاحظہ فرمائیے،

اس تعداد میں وہ پتھر شامل نہیں ہیں جو فرش میں لگے، ہر روز ۱۴۰۰ خچر کام کرتے تھے، اُن میں سے چار سو خچر امیر المومنین کے تھے اور ہزار خچر کرایے کے تھے، ان کو ۳ مثقال (؟) ماہانہ کرایہ ملتا تھا، ہر تیسرے دن ۱۱۰۰ بوجھ (؟) چونے کے لگ جاتے تھے، مزدوروں کی مزدوری پر تین لاکھ دینار سالانہ خرچ ہوئے، اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کتنے مزدور وہاں کام کرتے ہوں گے (مزدوری کا حساب آج کل کی بڑھی ہوئی مزدوری سے نہیں لگانا چاہیے)،

مدینۃ الزہرا کے متعلق دو حمام تھے، ایک تو قصر کے اندر خاندان شاہی کے لیے مخصوص تھا، دوسرا عام باشندگانِ مدینہ کیلیے، پینے کے پانی کے لیے پہاڑ سے ایک نہر نکالی گئی تھی جو خود عجیب و غریب چیز تھی، اس کو پہاڑ پر سے اُتارنے اور مدینۃ الزہرا میں لانے کے لیے بڑے بڑے ستون قائم کیے گئے تھے، اور اُن پر سے پانی کو صنعت محکمہ اور تدابیر عجیبہ سے ایک بہت بڑے حوض تک پہنچایا گیا تھا، اس حوض پر ایک بہت بڑا مہیب شیر تھا، اور اس پر سونا چڑھا ہوا تھا، اور آنکھیں قیمتی جوہر کی تھیں، نہر پہلے اس شیر کے پیٹ میں داخل ہوتی تھی اور پھر اس کے مُنھ سے حوض میں گرتی تھی، اور یہیں سے پانی تمام شہر میں تقسیم ہوتا تھا، یہ حوض خود ایسی عجوبہ چیز تھی کہ آدمی اس کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتے تھے، سیاحوں کا قول ہے کہ اُن کی نظر سے نہ کہیں ایسا حوض گذرا، نہ ایسا شیر، نہ یہ انتظام آب رسانی، زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود پہاڑ کی بُعدِ مسافت قیام ستون وغیرہ وغیرہ کے یہ نہر صرف چودہ ماہ میں تیار ہو کر پانی دینے لگی، بروز پنجشنبہ ماہ جمادی الآخریہ نہر جاری کی گئی، اس روز امیر المومنین نے ایک دربار عام کیا، دعوتِ عام دی گئی اور انجینیروں نیز دیگر عملۂ نہر کو بیش قرار صلے عطا فرمائے گئے،

اس حوض کے علاوہ دو حوض اور بھی تھے، ان میں سے ایک بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا، بڑا حوض احمد یونانی اسقف ربیع کی معیت میں جو ایلیاس سے قرطبہ آئے تھے، قسطنطنیہ سے لے کر آئے تھے، یہ بھی نہایت عجیب و غریب شکل کا نہایت بیش قیمت حوض تھا، یہ تمام منقش تھا اور اُس پر سونے کا کام تھا

دوسرا چھوٹا حوض بھی احمد یونانی شام سے لائے تھے (ایک قول یہ بھی ہے کہ اسقف ربیع کے ساتھ یہ حوض قسطنطنیہ ہی سے آیا تھا) بہرحال یہ بھی منقش و مطلا ہی تھا، اس پر آدمیون کی تصاویر بھین اور فرط غرابت وکمال وجمال سے اس کی قیمت اتنی تھی کہ جس کا اندازہ کسی طرح نہین لگ سکتا تھا، اس کو امیر المومنین نے اُس خوابگاہ مین لگوایا تھا جو قصر مین شرق کی طرف تھا اور "مونس" کہلاتا تھا، قرطبہ مین آیا تو یہان کی دار الصناعہ مین اس پر ۱۲ مطلا اور مرصع بجواہر نفیس غالی القیمت "مجسمے نصب کیے گئے، ایک شیر کا مجسمہ تھا اسکے برابر ہرن پھر گینڈا، مقابل کی سمت مین سانپ تھے عقاب اور ہاتھی کونون پر کبوتر شاہین مور مرغ اور گدھ یہ سب سونے کے تھے اور مرصع بجواہر نفیسہ ان سب کے مونھون سے پانی نکلتا تھا،

الزہرا جو مسجد امیر المومنین الناصر لدین اللہ نے اپنے اہتمام سے بنوائی تھی وہ بھی نادرۂ روزگار تھی[1] اس کی تعمیر پر بقول ابن فرضی ہزار آدمی متعین تھے، تین سو راج، دو سو بڑھئی اور پانچ سو مزدور، اسمین پانچ دالان نہایت عجیب الصنعۃ ستھے مقصورہ کو چھوڑ کر امام کے کھڑے ہونے کی جگہ سے اس کا عرض ۳۰ گز تھا، درمیانی دالان کا عرض شرقاً غرباً ۱۳ گز تھا، باقی چار دالانون کا ۱۲ گز کھلے صحن کا طول ۴۳ گز اور عرض شرقاً غرباً ۴۱ گز مسجد مین رخام کا فرش تھا اور درمیان صحن مین ایک فوارہ تھا جس سے پانی جاری رہتا،

[1] یہ مسجد وہ جامع مسجد نہیں ہے جس کو امیر عبد الرحمن الداخل نے شروع کیا تھا اور ہر امیر اور امیر المومنین اس مین کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے تھے کسی شاعر کے چار مصرعے جو مین اوپر کہین لکھ آیا ہون ان مین جس مسجد کا ذکر ہے وہ یہی الداخل کی مسجد ہے یہ مسجد ابتک قرطبہ مین باقی ہے اور مسلمانون کی بے غیرتی و بے حمیتی کو اب تک رو رہی ہے مسلمانانِ اسلام اس پر جتنا بھی فخر کرے بجا ہے، اس کی تعریف مین سیکڑون قصیدے لکھے گئے، مین دحیہ بن محمد البلوی کے تین شعر نقل کرتا ہون،

وانفق فی دین الالٰہ و وجہہ ثمانین الفاً من لجین وعسجد

خدا کے دین اور اس کی ذات تک اسی ہزار سونا چاندی یعنی درہم و دینار صرف کیا

فتوزعہا فی مسجد اُسہ التقی ومنہجہ دین النبی محمد

اور اس کو ایسی مسجد پر صرف کیا جس کی بنیاد تقوی پر تھی اور اس کا طریقہ محمد پیغمبر کا دین تھا،

ترٰی الذہب الناری فوق سمولہ یلوح کبرق العارض المتوقد

آتشین سونا اس کی چھتون پر بجلی کی طرح تم کو چمکتا نظر آئے گا،

تھا اس مسجد کے لیے منبر نہایت عجیب و غریب بنوایا گیا تھا، اُسی کے گرد ایک مقصورہ تھا،

تکمیل مسجد کے بعد ۲۲ شعبان ۳۲۹ھ کو یہ منبر اپنے مقام پر نصب کیا گیا، لطف یہ ہے کہ اتنی بڑی عجیب و غریب مسجد کل ۴۸ دنون مین تیار ہو گئی، پہلی جماعت نماز مغرب کی تھی جو جمعہ کی رات کو بامامت قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ابی عیسی ہوئی، دوسرے روز جمعہ تھا، امیر المومنین نے اُن ہی امام کے پیچھے جمعہ پڑھا،

مدینۃ الزہرا کی جلالت و نفاست پر ایک تاجر سیاح متفق تھا اور سب کا قول تھا کہ ممالک اسلام و کفر مین ایسا شہر نہین دیکھا گیا، ایک مورخ کی زبان سے اس شہر کو دیکھ کر یہ کلمات نکل گئے :-

فسبحان الذی اقدر ہذا المخلوق الضعیف علی ابداعہا واختراعہا من اجزاء الارض

پاک ہے وہ ذات جس نے اس ضعیف مخلوق کو زمین کے کیمیاوی اجزا سے اسکے ایجاد و اختراع کی قدرت عطا فرمائی،

المتحلیۃ لیریٰ الغافلین عنہ من عبادہ مثالاً لما اعدہ لاہل السعادۃ فی دار المقامۃ التی لا یتسلط

تاکہ اُن بندون کو جو اُس سے غافل ہین اس چیز کی مثال دکھائے جو اس نے اہل سعادت کے لیے رہنے کی جگہ مہیا کی ہے

علیہا الفناء ولا یحتاج الی المرمۃ لا الٰہ الا ہو المنفرد بالکرم

جس پر فنا کا تسلط ہو نا وہ محتاج مرمت ہوتی صرف خدا ہی کے کرم کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے مین

مین دانستہ الزہرا کے باغات اُن کی روشون اور فرشون قصر کے نقوش و تماثیل اور سونے چاندی کا ذکر تفصیل کے ساتھ نہین کرتا کیونکہ اس سے بہت طول ہو جائیگا، مختصر یہ ہے کہ اس کے بانی وہ شخص تھے کہ جنکو عمارات سے خاص ذوق تھا، مشہور تھا کہ ان کے جیسا نقشہ عمارت کوئی نہین بنا سکتا، اس پر دنیا کے بہترین انجنیرون اور صناعون کے دماغ خرچ ہوے تھے ان کو جو انہماک الزہرا سے تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ متواتر تین جمعون کی نماز مین وہ جامع مسجد مین نہین پہونچے، جوتھے جمعہ مین شامل ہوئے تو قاضی منذر بن سعید نے جو جامع مسجد کے امام تھے، اُن کو تنبیہ کرنا چاہی، چنانچہ شروع خطبہ اُنھون نے

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ	کیا ہر چہت مین تم لوگ ایک نشانی کھیلنے کیلیے بناتے ہو اور عمارتین تیار
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ	کرتے ہو کہ ہمیشہ اس مین رہو گے اور جب تم گرفت کرتے ہو تو ظالم
جَبَّارِينَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَاتَّقُوا الَّذِي	گرفت کرتے ہو تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے ڈرو
أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ	جس نے تم کو اس چیز سے مدد دی جسکو تم جانتے ہو تم کو چارپایون اور بیٹون
وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ	باغون اور نہرون سے مدد دی مجھے تمھاری نسبت بڑے دن کے
يَوْمٍ عَظِيمٍ (الشعراء ع ۷)	عذاب کا خوف ہے

پھر عمارتون کی پختگی اور ان کی اینٹون مین استغراق اور اسراف کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ

ہی یہ آیات پڑھین

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ	کیا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے تقوی اور رضامندی
خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ	پر رکھی بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی بنیاد ہلاکت کے کنارے پر رکھی پھر اسکے
فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	ساتھ دوزخ کی آگ مین گر پڑا، خدا ظالم قوم کو ہدایت نہین دیتا، انھون نے
الظَّالِمِينَ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً	جو عمارت بنائی وہ ان کے دل مین پھانس بنکر کھٹکتی رہیگی مگر یہ کہ
فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ	انکے دلون کے ٹکڑے ہوجائین خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے" (توبہ ۱۳)

اس کے بعد وہ زجر و توبیخ کی کہ نہ رعب سلطانی کا خیال رکھا نہ سیاست خلافت کا لحاظ یہ سب کچھ کہنے

کے بعد یہ بھی کہہ گئے کہ[1]

---

[1] ایک قول یہ بھی ہے کہ قاضی منذر نے یہ باتین ایک اور موقع پر امیرالمومنین کے سامنے پڑھی تھی اور لفظ "تذبل" سخت ناگوار ہوا تھا اور دوسرے دونون صاحبون مین کچھ رد و قدح بھی ہوئی تھی بہرحال یہ پہلا ابتدائی موقع نہ تھا کہ امیرالمومنین کو قاضی صاحب نے دھمکایا ہو، ایک اور سبب القصہ یہ ہے کہ امیرالمومنین نے مسجد کی چھت مین سونے چاندی کی اینٹین لگوا کر شیشہ سے کام کرانا چاہا تھا، قاضی منذر کو بھی اطلاع ہوئی تو انھون نے امیرالمومنین سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آپ کو اتنی دولت دیکر آپ کو بہکا رکھا ہے آخر آپ پر خدا تعالیٰ کا بھی تو فضل ہے آپ کیون کافرون کی منزل تک پہونچے جاتے ہین (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پڑھیے)

یا بانی الزهراء مستغرقاً | اوقاته فیها اما تمهل

اے زہرا کے بانی جو اپنے تمام اوقات کو اس مین صرف کرتا ہو کیا تجھ کو مہلت دیجائیگی؛

لله ما احسنها رونقاً | لو لم تکن زهرتها تذبل

وہ کس قدر پر رونق تھا اگر اس کی کلی مرجھا نہ جاتی

یہ اور اس قسم کے الفاظ اگر کسی معمولی آدمی کو کہے جاتے تو اس کو ناگوار ہوتے چہ جاییکہ خود امیرالمومنین کو مخاطب کرکے ہزارون مسلمانون کے مجمع مین یون سختی کے ساتھ کہے جائین اس لیے نماز سے سخت کبیدہ خاطر آئے اور قسم کھالی کہ قاضی منذر کے پیچھے نماز نہین پڑھون گا، بلکہ احمد بن مطرف صاحب الصلاۃ قرطبہ کو اپنی امامت کے لیے مقرر کرلیا، اپنے ولیعہد سے قاضی منذر کی اس ناگوار تقریر کا ذکر کیا، انھون نے قاضی صاحب کو معزول کرنے کی رائے دی، امیرالمومنین برافروختہ ہوگئے اور کہا کہ تیری ان زندہ نہ رہے! کیا تو منذر جیسے آدمی کو معزول کراتا ہے جو اپنے فضل و ورع و علم مین اپنا ثانی نہین رکھتا، یہ نہین ہوسکتا کہ وہ معزول کردیے جائین مجھے شرم آتی ہے کہ مین خدا کے سامنے ایسی حالت مین جاؤن کہ منذر میری نماز جمعہ کا گواہ نہ ہو، مجھے اپنی قسم کا کفارہ دینا آسان ہے، مین اور وہ جب تک زندہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امیرالمومنین یہ تقریر سن کر غصے سے کانپ اُٹھے اور قاضی صاحب سے کہا کہ آپ کو کچھ بھی لحاظ آتا ہے کہ آپ مجھے کافرون مین شامل کیے دیتے ہین قاضی صاحب نے کہا مین صحیح کہتا ہون کیا خدا تعالیٰ نے یہ نہین فرمایا کہ

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا	اور یہ اگر نہ ہوتا کہ لوگ ایک راست ہوجاتے تو جو لوگ خدا کے ساتھ
لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ	کفر کرتے ہین تم ان کی چھتین چاندی کی بناتے اور سیڑھیان
وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا	جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھرون کے دروازے اور تخت
وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ (زخرف ۳)	بناتے جن پر وہ ٹیک لگاتے،

یہ سنکر امیرالمومنین نے اپنا سر جھکا لیا اور رو پڑے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ قاضی صاحب خدا تعالیٰ آپ کو ہماری اور مسلمانون اور دین کی طرف سے جزائے خیر دے اور خدا کرے کہ آپ جیسے آدمی دنیا مین زیادہ ہون آپ نے جو کچھ کہا سچ کہا، انھون نے اسی وقت حکم دیا کہ یہ اینٹین اور شیشے مسجد مین نہ خرچ کیے جائین (اس قصہ کے الفاظ میرے ہین)

میں میں مقتدی اور وہ امام رہیں گے . . . . . "

یہ واقعہ مدینۃ الزہرا کے ذکر میں کچھ غیر متعلق سا معلوم ہوگا میں اس کی معافی چاہتا ہوں لیکن رونا اس کا ہو کہ خلیفہ رہے نہ وہ امام،

جب یہ قصر تیار ہوا تو اس کی یہ صورت تھی کہ پہلے ایک بہت بڑی فصیل تھی جسمیں تین سو برج لڑائی کے قابل تھے، ایک بہت بڑا اور بڑی صنعت کا دروازہ تھا جو "باب مدینۃ الزہرا" کہلاتا تھا، اسمیں داخل ہوتے ہی بہت بڑا خوش سواد باغ تھا، تمام اعیان مملکت اور ارکان دولت کے محلوں کے دریچے اس باغ میں کھلے ہوئے تھے، اس کے بعد پھر ایک اور دروازہ ملتا تھا، جو "باب الاقباء" کہلاتا تھا، قصر میں جانے کے لیے یہی پہلا دروازہ تھا، اس کے بعد "باب السدۃ الاعظم" پڑتا تھا، اس کے سامنے ایک اور باغ کی بارہ دری تھی جسمیں از سرتا پا سونے اور شیشے کا کام تھا، ممکن ہے شیش محل ہو؟ اس میں عجیب صنعت گری کی گئی تھی، اس کے پردے قابل دید تھے، سنگ مرمر کے ستون ایسے نازک اور خوبصورت تھے کہ گویا کسی قالب میں ڈھلے ہوئے ہیں، ان پر گلکاری اس خوبصورتی سے کی گئی تھی کہ چمن کا لطف آتا تھا، اسی میں بڑا حوض تھا اور کئی چھوٹے چھوٹے حوض اور بہت سے مجسمے، سامنے دالان تھے، وہ بھی مکلّا شرقاً غرباً اور دیوانخانے تھے اور میدان جتنے پڑتے تھے سب کا یہی نقشہ تھا، ایک کو دوسرے سے تمیز کرنا بہت مشکل تھا، گو بوجہ تنوعِ مشاہد اور اختلافِ مناظر کے، جو دالان درمیانی باغ میں تھا اسی کے وسط میں زرکار تخت تھا، اس کے علاوہ مشرقی دالان میں ایک اور تخت تھا، یہی شرقی دالان "مونس" کہلاتا تھا اور یہی خوابگاہ تھی، اسی میں وہ حوض تھا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے، اسی احاطہ میں ایک اور دیوانخانہ تھا جو قصر الخلافہ کہلاتا تھا، اسکی چھت مضبوط سنگ رخام کی تھی اور اس پر سونا چڑھا ہوا تھا، اسی کے درمیان میں وہ یتیمیہ تھا جس کو الیون بادشاہ قسطنطنیہ نے بطور تحفہ کے پیش گاہ خلافت میں بھیجا تھا، اس قصر میں جتنی پچی کاری تھی وہ سب سونے چاندی کی تھی، اس کے عین وسط میں بہت بڑا حوض تھا جس کے اندر پارہ بھرا ہوا تھا، حوض پر ایک نم گیرہ کسا رہتا تھا جس کی چوبیں ہاتھی دانت اور آبنوس کی مغرق بجواہر تھیں، اس دیوانخانہ کے آٹھ دروازے

تھے، اور ہر دروازے سے دھوپ آتی تھی جب امیر المومنین کسی کو مرعوب کرنا چاہتے تھے تو کسی کو حکم دیتے تھے کہ وہ نیچے اتر کر پارے کو ہلا دیتا تھا، دھوپ میں اس کا عکس پڑکر آنکھوں کو خیرہ کر دیتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام دیوانخانہ ہل رہا ہے اور سب کو لیکر اڑ جائے گا،

حرم و زنانہ کے مکانات الگ تھے، وہ سب مردانہ سے بھی زیادہ منقش و مطلا و مرصع تھے، ایک بات یہ عجیب معلوم ہوتی ہے کہ امیر المومنین کی حرم زہرا کی تصویر حرم کے بیرونی دروازہ پر منقوش یا نصب تھی، امیر المومنین نے ایک شخص کو اس تمام قصر کی سیر کرائی، اس نے از راہ گستاخی یہ کہہ دیا کہ زہرا کی تصویر کے جبل عروس کے پاس ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا زہرا ایک دیوزاد کے قبضے میں ہے اور وہ اس کو لے بھاگنے والا ہے، امیر المومنین پر اس طعنہ کا ایسا اثر ہوا کہ انھوں نے حکم دیا کہ پہاڑ اکھاڑ کر پھینک دیا جائے، چنانچہ یہ کام شروع ہوگیا، مگر اکثر ارباب سلطنت نے بمشکل تمام امیر المومنین کو اس سے باز رکھا، ایک مورخ کہتا ہے کہ الناصر لدین اللہ کی ہمت کے سامنے یہ کچھ بڑا کام نہیں ہے کہ اتنے بڑے پہاڑ کا وجود ہی مٹا دیتے، یہ ضرور ہوا کہ اس پہاڑ کا نام جبل عروس پڑ گیا[1]، اسی مثیل فردوس احاطہ میں ایک قیدخانہ تھا جسکو "مطبق" کہتے تھے،

نہروں اور حوضوں میں جو مختلف قسم کی مچھلیاں تھیں ان کو ہر روز بارہ ہزار روٹیاں اور چھ قفیز چنے دیے جاتے تھے، جو مرد یہاں رہتے تھے ان کی تعداد ۱۲۷۵۰ تھی، ۶۳۱۴ عورتیں، ۳۷۰۰ لڑکے ان کے علاوہ تھے، تیرہ ہزار رطل (پونڈ)، گوشت روزانہ خرچ ہوتا تھا، اس وزن میں مچھلی مرغ اور دیگر طیور کا گوشت شامل نہیں ہے، یہ تمام آدمی صرف محل شاہی سے متعلق تھے اور امیر المومنین اور حرم شاہی کے خدمتگذار و جان نثار، اراکین سلطنت کے خادموں کی تعداد کہیں نہیں ملتی،

قصر کی تیاری اور آبادی کے بعد حکومت کی طرف سے بانگ دہل اعلان ہوا کہ عوام الناس میں سے جو لوگ احاطہ مدینۃ الزہرا میں مکانات بنائیں ان کو حکومت سے چار سو دینار عطیہ ملیگا، اس طرح وہاں کی

[1] مجھے باوجود تلاش یہ پتہ نہیں لگا کہ پہلے اس پہاڑ کو کیا کہتے تھے، اسی لیے شروع سے اس کو جبل عروس کہتا آرہا ہوں،

آبادی خوب بڑھ گئی، بازار اور حمام کھل گئے، مساجد بن گئیں اور ہر قسم کی ضروریات وہیں بہم پہونچنے لگیں، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس سے قرطبہ کی مردم شماری میں کوئی کمی ہوئی، وہان کی آبادی جون کی تون رہی اور یہ شہر نیا بس گیا،

قصر کی عمارت کے اندر ہی امیرالمومنین المستنصر الحکم کا وہ مشہور عالم کتب خانہ تھا جس کا ذکر اب بھی کتابون مین پڑھ کر ہر شخص نقش حیرت بنکر رہ جاتا ہے، اس کتب خانہ کی عظمت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس زمانہ مین چھاپہ خانہ نہ تھا اور کتابون کی قیمت بیحد تھی مگر جتنے دیوان اس مین تھے انکی فہرست ۴۴ جلدون مین تھی اور ہر جلد کے کم از کم ۲۰ ورق تھے، تمام ممالک مین آدمی تعینات تھے کہ جو کتاب نئی نکلے وہ سب سے پہلے قصر الزہراء مین پہونچ جائے، چنانچہ ابوالفرج نے جب اپنی کتاب الاغانی لکھی تو اس کی اشاعت مشرق سے پہلے مغرب مین ہوئی (یا شاید ایک ہی ساتھ) کتابون کی تعداد کئی لاکھ تھی اور ہر کتاب پر امیرالمومنین المستنصر کا کوئی نہ کوئی نوٹ ضرور تھا۱، یہان یہ عرض کرنا شاید بے محل نہو گا کہ اس زمانہ مین یورپ مین کتابون کا جو قحط تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پیڑودی بوموس سنٹ پیرس جب صلیبی لڑائی پر جانے لگے ہین تو اُنھون نے اپنا بہت بڑا کتب خانہ جسمین اٹھارہ کتابین تھین سینٹ وکٹر کے دیر کو نذر کیا تھا، اس زمانہ مین یہ ہدیہ اتنا بیش قیمت تھا ایک بادشاہ کا زر فدیہ ہو سکتا تھا

اس خاص موضوع پر میری کتاب اخبار الاندلس جلد سوم صفحہ ۱۷۴ یا ۲۷۶ کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہوگا، مگر مین پھر یہی عرض کرونگا کہ اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ہم نے کتنی رجعت کی اور اغیار اپنی ترقی مین کہان سے کہان پہونچ گئے،

جتنے بڑے بڑے دربار ہوتے تھے وہ مدینۃ الزہراء ہی مین ہوتے تھے اُن مین سے "دربارون کی کیفیت قابل دید تھی مگر شاید ان کی تفصیل میرے عنوان سے خارج ہے، مختصراً یہ گذارش ہے کہ ایک

۱ امیرالمومنین کی اس کثرت مطالعہ کا یہ انجام ہوا کہ آخر عمر مین ان کی نظر دبا جاتی ہی رہی تھی،

دربار تو امیرالمومنین الناصر لدین اللہ نے قسطنطنیہ کے سفیرون کے آنے پر کیا تھا، اس مین ایک تقریر ہونے والی تھی، دربار کے رعب کا یہ عالم تھا کہ کئی صاحبون نے تقریر کو شروع کیا اور وہ بیہوش ہو ہو کر گر گئے، اتفاق سے ابوعلی قالی صاحب امالی یہان آئے ہوئے تھے، اُن سے بھی تقریر کے لیے کہا گیا، وہ حمد و نعت ہی ختم کر پائے تھے کہ زبان بند ہو گئی اور غش کھا کر گر گئے، دوسرا دربار امیرالمومنین المستنصر کا تھا جس مین اسپین کے ایک عیسائی بادشاہ نے رعب مین آ کر اپنے آپ کو امیرالمومنین کا غلام کہا وغیرہ وغیرہ،

افسوس ہے کہ اس جنت الارض کو بہت ہی جلد نظر لگ گئی، امیرالمومنین المستنصر کے بیٹے المؤید تخت خلافت پر تھے، اُن کے حاجب بطل اعظم محمد بن ابی عامر الملقب منصور کا ابھی کفن میلا نہ ہوا تھا کہ حاجب مرحوم کے بیٹے نے ایک فتنہ مین نہ مدینۃ الزہراء کو چھوڑا نہ مدینۃ الزاہرہ کو جو اُن کے باپ نے بسایا تھا نہ نادر بچا نہ مذونے نادری،

بڑے بڑے شعراء نے اس کے مرثیے لکھے ہین، ابن عربی کے زمانہ (۵۶۰ھ - ۶۳۸ ہجری) تک کچھ کھنڈر باقی تھے، وہ اس مقام کی زیارت کو آئے تھے، اُنھون نے بھی ایک مرثیہ کہا جسکے چند اشعار نقل کرتا ہون

دیار باکناف المغیب تلمع وما ان بها من ساکن وهی بلقع

کچھ کھنڈر گنا می کے اطراف مین نظر آتے ہین، اُن مین کوئی رہنے والا نہین اور چٹیل ہین

ینوح علیها الطیر من کل جانب فیصمت احیانا وحینا یرجع

اس پر ہر طرف سے چڑیان روتی ہین، کبھی خاموش ہو جاتی ہین، کبھی بولنے لگتی ہین،

فخاطبت منها طائرا متفردا لہ شجن فی القلب وهو مروع

تو مین نے ان مین سے ایک چڑیا سے جو سب سے الگ تھی خطاب کیا اور اسکے دل مین غم تھا اور وہ خوفناک تھی

فقلت علی ما ذا تنوح وتشتکی فقال علی دهر مضی لیس یرجع

مین نے کہا تو کس چیز پر روتی ہے، اُس نے کہا گذشتہ زمانہ پر جو پھر نہین لوٹے گا،

چار مصرعے اور سن لیجیے، معتمد بن عباد (۴۶۱ھ و ۴۸۴ھ) کے زمانہ تک لوگ مدینۃ الزہرا کے میدان مین بطریق سیر جایا کرتے تھے، فتح بن خاقان کہتے ہین کہ مجھ سے وزیر الفقیہ ابوالحسن بن سراج نے بیان کیا کہ ہم بھی چند آدمیون کے ساتھ وہان گئے، وہان کی سیر کی، ایک ایک چیز کو دیکھتے تھے تو دل کڑھتا تھا اور آنسو نہ رک سکتے تھے، یکایک سلطان معتمد بن عباد کا ایک آدمی آیا اور اس نے ہمارے ہاتھ مین ایک کاغذ دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ

حسد القصر فیکم الزہراء ولعمری وعمرکم ما اساء

قد طلعتم بہا شموسا صباحا فاطلعوا عندنا بدورا مساء

سنتا ہون کہ ہیان گورنمنٹ اسپین کی طرف سے کھدائی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے کچھ چیزین نکلی ہین منجملہ ان کے ایک گھوڑے کا مجسمہ ہے ایک صاحب کو اسپین مین لکھا ہے کہ کچھ تفصیل بھیجین اور اگر اُن چیزون کی تصاویر لی گئی ہون تو وہ بھی عنایت فرمائین۔

الفاروق

علامہ شبلی رح

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گرانمایہ کتاب کے سیکڑون ایڈیشن فروخت ہوچکے ہین، مگر اہلِ نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ ایڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام وسعی بلیغ سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف نامی پریس کا نپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل ضخامت ۳۱۲ صفحے قیمت للعہ

منیجر

مرہٹہ ہیرو

از

مورخ مشہور صدر الصدور خانی خان،

ذی حجہ دجون، کے معارف مین آپ نے سیواجی کی بابت خیالات کا اظہار فرمایا ہے، آپ نے تمنا ظاہر کی ہے کہ کاش آج کے جشن منانے والے کل کے واقعات کا تجربہ کرچکے ہوتے اس سلسلہ مین دو ہندو مورخون کی شہادتین مین پیش کرتا ہون جو مرہٹون کی کارگذاریون کے تختۂ مشق تو نہ تھے مگر نتائج کے دیکھنے والے ضرور تھے، یہ معتمد شہادتین ظاہر کرین گی کہ سیواجی کے مرنے کے سو ڈیڑھ سو برس بعد تک ہندوؤن کے خیالات اس ہیرو کی نسبت کیا تھے،

محولۂ بالا دو تاریخین بساط الغنائم اور تاریخ ظفرہ ہین، بساط الغنائم کے مؤلف اپنے عہد کے مشہور وقائع نگار و انشا پرداز منشی لچھمی نرائن شفیق اور نگ آبادی ہین، یہ نام تاریخی ہے جس سے ۱۲۰۴ھ برآمد ہوتے ہین، کتاب مذکور ایک علم دوست ہندو رئیس کے نام سے معنون ہوکر ۱۳۲۲ھ مین حیدر آباد کے مطبع نظام المطابع مین چھپی ہے،

دوسری تاریخ ظفرہ ہے، اس کا نام بھی تاریخی ہے لفظ ظفرہ سے سنہ تالیف برآمد ہوتے ہین جو ۱۲۸۵ھ ہین، اس مؤلف کا نام لالہ گردھاری لعل ہے، اس تاریخ کے دو قلمی نسخے میری نظر سے گذرے ہین، ایک شخصی ملکیت ہے، دوسرا ایک کتابخانہ مین ہے جو پبلک ہے، یہی نسخہ میری نظر کے سامنے ہے جو ۱۲۸۱ھ مین لکھا گیا ہے،

مذکورۂ بالا دو تاریخون کا زمانۂ تالیف بتاتا ہے کہ وہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد لکھی گئی ہین بساط الغنائم کی تالیف کے وقت تو انگریزی تسلط بھی نمایان طور پر قائم ہوچکا تھا چنانچہ شفیق نے ہجری

سنہ تالیف کی سنہ عیسوی سے بھی مطابقت لکھی ہے جو ۱۷۹۹ء ہے، لہذا مغلون کی خوشامد سے پاک ہے،
شفیق کا قلم متین ہے، گو جاری جس اُس غیظ و غضب کو ضبط نہین کر سکتا جو اُس کے دل مین
ملک کی تباہی سے تھا اس لیے سیواجی وغیرہ کی نسبت الفاظ بہت سخت لکھتا ہے جو ایک مؤرخ کے
قلم سے نکلتے تو بہتر تھے مگر یہ بھی ہے ع کہ ناچار فریاد خیزد ز درد،

یہ دو تاریخین صاف ظاہر کرتی ہین کہ اُن کے زمانہ تک ہندوؤن نے سیواجی کو ہیرو نہین خیال کیا تھا
حقیقت یہ ہے کہ انسان کی ظاہری اور باطنی قوتین مشق اور متواتر کام لینے سے ترقی پاتی ہین،
جن اعضا یا قوتون سے کام نہ لیا جائے وہ کمزور بلکہ بیکار ہو جاتی ہین، یہی حال وقائع نگاری و تاریخ فہمی
کا ہے، جو لوگ واقعات پر نظر رکھتے اور اُن کے ضبط و تحریر کا اہتمام رکھنے کے عادی ہوتے ہین، وہ اُس ذمہ داری کا
احساس رکھتے ہین جو واقعات کی صحت بیان سے تعلق رکھتی ہے، واقعہ نگاری اور اُسکی صحت اُن کے
نزدیک ایک واجب التعمیل فرض ہوتا ہے، تاریخ سے بے پروائی یا غلط بیانی کو وہ جرم خیال کرتے
ہین اس اہتمام کا نتیجہ حقیقت سنجی اور حق جوئی ہوتا ہے، اس کے برخلاف جو لوگ وقائع نگاری کے عادی نہین
اور جنھون نے واقعاتِ عالم کو اس قابل نہین سمجھا کہ ان کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے، وہ تاریخ کی اصلی
عظمت سے کبھی واقف نہین ہو سکتے، اور افسانے اور واقعہ مین امتیاز اُن کے لیے دشوار ہوگا، ہندو لٹریچر مین
تاریخی عنصر کی نایابی مسلم ہے جو تاریخین ہندوؤن نے گذشتہ دور مین لکھین وہ عہدِ اسلامی مین لکھی گئین، اسکو
فیضِ صحبت خیال کرنا بیجا نہ ہوگا، اسی بے پروائی کا نتیجہ ہے کہ آج کی مرہٹون کی ہند و تاریخ اُس تاریخ
سے مختلف ہے جو سو یا ڈیڑھ سو برس پہلے خود ہندوؤن نے لکھی تھی،

جو ہستیان آج حقیقت یا ہیرو مانی جاتی ہین وہ کل یا افسانہ تھین یا قزاق غارتگر،

اب اصل شہادتین ملاحظہ ہون،

بساط الغنائم | دیباچہ مین مؤلف نے لکھا ہے کہ مرہٹون کے کارنامے لوگ بھولتے جاتے ہین، حالانکہ یاد رکھنے کے

لائق ہین، مسلمان مؤرخ تعصب سے ان کی نسبت نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہین حالانکہ یہ ارشاد نبوی کے
خلاف ہے، اس لیے مین چاہتا ہون کہ صحیح حالات قلمبند کر دون، اس کتاب مین مرہٹون کے متعلق جو
حالات ہین وہ بجنسہ اُس تاریخ کا ترجمہ ہین جو پونہ مین مرہٹی زبان مین لکھی گئی ہے،

اب اس کتاب کی اصل عبارت مین واقعات سنیئے،

سیواجی ...... از آنجا (از رائے گڈھ) کوچیدہ در جالنا پور کہ بست کروہی
سیواجی نے اس جگہ (رائے گڈھ) سے کوچ کرکے جالنا پور کہ اورنگ آباد سے ۲۰ کوس پر
اورنگ آباد جانب مشرق واقع شدہ رسیدہ دست تاراج کشاد چون تکیہ جان اللہ شاہ
شرق کی جانب واقع ہے، دھاوا مارکر غارتگری شروع کی، چونکہ جان اللہ شاہ جو کہ
کہ از کاملان زمانہ بود آبرو بخش آبادی ست مردم آبادی آن مکان را مامن و پناہ دانستہ
کاملین زمانہ سے تھے ان کا تکیہ اس آبادی کیلئے عزت بخش تھا وہان کے لوگ اسکو جائے پناہ سمجھکر اسمین چلے گئے،
دران خزیدند، سیواجی قساوتِ قلب لاکار فرمودہ و پاس ادب نہ نمودہ ہمہ را غارت
سیواجی نے سنگدلی سے کام لیکر اور اس کا پاس ادب ترک کرکے سب کو لوٹ لیا بلکہ در خون
کرد بلکہ انجار ہم بریدہ نسبت بہ شاہ مذکور بے ادبی ہا روا داشت و این حرکت موجب
کو بھی کاٹ ڈالا اور شاہ صاحب مذکور کے متعلق بے ادبیان کین، اور یہ حرکت اس کے
آغاز ادبار او گشت، رستم خان منصب دار بادشاہی را کہ با جمعیت جزوی تعین
ادبار کا سبب بن گئی، رستم خان شاہی منصبدار کو کہ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جالنا پور پر متعین تھا،
جالنا پور بود ہمان شب بشارت غیب شد کہ بہ کمیت فوج خود نظر نکردہ با سیواجی مقابل شود کہ بلا شک فتح از ان ست چنانچہ
اسی رات کو غیبی بشارت ہوئی کہ اپنی فوج کی تعداد سے قطع نظر کرکے سیواجی کے ساتھ مقابلہ کرے یقیناً
صباح این رویا رستم خان خود را بے باکانہ بر لشکر سیواجی زد و باوصف قلت جمعیت غالب آمد

اس کی فتح ہوگی، چنانچہ اس خواب کی صبح کو رستم خان بیباکی کے ساتھ سیواجی کے لشکر پر ٹوٹ پڑا، اور

مردم بسیار از سیواجی با سدوجی سردار عمدہ اش بقتل رسیدند و ہزیمت بر لشکرش افتاد و

باوجود فوج کی کمی کے غالب آیا سیواجی کے بہت سے آدمی اس کے بہترین سردار سدوجی کے ساتھ قتل

سیواجی را پا از جا رفت و یارا ے قیام در خود نیافتہ تا راے گڈھ باز پس دوید

ہوئے اسکی فوج نے شکست کھائی سیواجی کے پاؤن اکھڑ گئے اور ٹھہرنے کی طاقت سلب ہوگئی اور ایسا بھاگا کہ راے گڈھ

کہ براورنگ آباد تاختہ بود و نیز از آنجا گریختہ بسیواجی ملحق شد (صفحہ ۵۵ و ۵۶)

تک پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، ادا جی بھی جنہوں نے اورنگ آباد پر دھاوا مارا تھا اس جگہ سے بھاگ کر سیواجی کے ساتھ ملگیا،

سیواجی کی راے برہمنوں کی نسبت یہ سننا دلچسپی سے خالی نہو گا کہ آج جو طبقہ سیواجی کی ہیرو سازی مین سب سے زیادہ بلند آہنگ ہے اُس کی نسبت خود سیواجی کی کیا راے اور روش تھی،

چون از ہمہ سو فراغش دست داد خیال برہمن شدن در سرش گرفت گیگا بھٹ را کہ

جب اسکو ہر طرف سے فراغت حاصل ہوگئی تو اُس کے دماغ مین برہمن ہونے کا خیال پیدا ہوا، گیگا بھٹ کو جو

از پنڈتان مشہور بنارس بود طلب داشتہ طریق عبادت برہمنان آموخت برہمنان دیگر برین ارادہ واقف

بنارس کے مشہور پنڈتون مین تھا طلب کرکے برہمنون کا طریقۂ عبادت سیکھا، دوسرے برہمن اس ارادہ سے

شدہ بھٹ مذکور را مخفی مانع آمدند سیواجی خبر یافتہ ناخوش گردید یک قلم برہمہ را از کار

واقف ہوے تو بھٹ کو مخفی طریقہ پر اس سے منع کیا، سیواجی کو خبر ہوئی تو ناخوش ہوا اور یکقلم تمام برہمنون کو ملازمت

وخدمت موقوف داشتہ گفت کہ این گروہ بد طینت گدا پیشہ نظر بہ بزرگ نہادی واجب الخدمت

سے موقوف کردیا کہ یہ بدطینت گداپیشہ گروہ اپنی ذات کی بزرگی سے واجب الخدمت ضرور ہے، لیکن

البتہ اند اما از ینہا توقع خیر سگالی و آقا پرستی ہیچ نیست و بجاے آنہا قوم پربھوان یعنی

اس سے خیر خواہی اور آقا پرستی کی کوئی توقع نہین اور ان کی جگہ پربھوان سینے

کایستھان را مامور نمود چند مقربان در سفارش برہمنان و بحالی تعلقات کوشیدند پذیرہ نفرمود

کایستھون کی قوم کو مامور کیا، مقربان درگاہ نے اگرچہ برہمنون کی سفارش اور بحالی ملازمت مین بہت کچھ

سنبھاجی پسرش نیز با طلاع این معنی نیلا پنتھ دیوان خود را کہ از قوم برہمہ بود تغیر ساختہ

کوشش کی لیکن قبول نہ ہوئی اس کے بیٹے سنبھاجی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے دیوان

بجایش یک کس را مامور کردہ،

نیلا پنتھ کو بھی جو برہمن تھا بدل کر اس کی جگہ ایک کایستھ کو مقرر کیا،

یہان یہ سوال شاید نتیجہ خیز ہو کہ تاریخ نے سیواجی کی راے برہمنون کی "خیر سگالی و آقا پرستی" کی بابت صائب ثابت کی یا غلط۔ (بساط الغنائم صفحہ ۵۵)

سیواجی کے نزدیک سعادتمندی کا معیار سنبھاجی ...... بر بھوپال گڈھ تاخت و آن را

سنبھاجی نے بھوپال گڈھ پر حملہ کیا اور اس کو جبراً قہراً مفتوح کرکے پانچ سو قیدیون کو

جبراً و قہراً مفتوح نمودہ پانصد اسیر را دست و پا شکستہ کشت، سیواجی خبر رشادت

ہاتھ پاؤن توڑ کر مار ڈالا، سیواجی نے لڑکے کی اس لیاقت کی خبر پائی تو ملاقات کا اشتیاق

فرزند دریافتہ مشتاق ملاقات شد در راے گڈھ آمد، از دیدار فرزند ارجمند ذخیرۂ خرسندی

ہوا اور راے گڈھ مین آکر لایق لڑکے کے دیدار سے مسرت اندوز ہوا اور ملاقات کے

اندوخت و وقت ملاقات یک پرتلہ مرصع با شمشیر و سپر بخشید (بساط الغنائم صفحہ ۵۵)

وقت ایک مرصع پرتلہ تلوار اور ڈھال کے ساتھ عطا کیا،

سیواجی کی وفات کا واقعہ درین اثنا یکے از غمازان ذہن نشین سورا بائی زوجہ سیواجی

اسی اثنا مین ایک چغلخور نے سیواجی کی بی بی سورا بائی زوجہ راجہ رام کی مان تھی اسکے ذہن نشین

کہ مادر راجہ رام است ساخت کہ سیواجی سنبھاجی پسر خود را کہ از زوجۂ دیگر است میخواہد

یہ بات کی کہ یہ سیواجی اپنے لڑکے سنبھاجی کو جو دوسری بی بی سے ہے ولیعہد بنانا چاہتا ہے، چنانچہ اس

ولیعہد سازد، چنانچہ او برایں ارادہ از بنگالا طلبیدہ است و غالب کہ عنقریب در رسد و مختار ریاست شود زن مذکورہ ازین کلمات

ارادہ سے اس کو بنگالہ سے طلب کیا ہے، اور غالباً وہ عنقریب پہنچکر مختار ریاست ہوگا، یہ

سراسیمہ شدہ زہر در طعام سیواجی انداخت تا آنکہ او قالب خالی گذاشت (بساط الغنائم ص ۵۷)

عورت ان کلمات سے پریشان ہوئی اور سیواجی کے کھانے میں زہر ڈالدیا جسکو کھا کر وہ مرگیا،

دوسری تاریخ ظفرہ سے بعض انتخابات

یہ تاریخ آج سے ایک سو اکسٹھ [۱۶۱] برس پہلے اور سیواجی کی وفات کے پچانوے [۹۵] برس بعد لکھی گئی تھی، مؤلف اس کے خاتمہ میں لکھتا ہے :-

بر ارباب فضل و کمال ہویدا باد کہ احقر گردھاری لعل تاریخ ظفرہ از ابتداے بنائے محمد نگر

ارباب فضل و کمال کو معلوم ہونا چاہیے کہ کمترین گردھاری لعل نے تاریخ ظفرہ کو حیدرآباد میں محمد نگر

در حیدرآباد تا نہایتہ حال کہ یکہزار و یکصد و ہشتاد و پنج ہجری می باشد بطریق مجمل بقلم آوردہ

کی بنیاد کی ابتداء سے آج تک کہ ۱۱۸۵ ہجری ہے [illegible] ر لکھا ہے، اگر زندگی باقی ہے تو

اگر حیات باقی ست انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ آنچہ بظہور می رسد بتحریر خواہد آورد،

انشاء اللہ آیندہ بھی جو کچھ ظہور میں آئیگا وہ لکھا جائیگا،

اس تاریخ میں سیواجی اور اس کے بیٹے سنبھاجی کے متعلق جابجا جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اس ہیرو کا مرتبہ مذکورۂ بالا ہندو وقائع نگار کی نگاہ میں کیا تھا، رسالہ معارف کی متانت سے منافی جانکر ہم ان الفاظ کی نقل کا (محض واقعات پر روشنی ڈالنے کی خاطر) ارتکاب کرتے ہیں، تاریخ ظفرہ کا پیرایہ بیان غالباً شفیق اورنگ آبادی کی خدمت میں مسلمان مورخوں کی جانب سے یہ عذرخواہی کرسکے گا کہ مرہٹوں کی نسبت سخت الفاظ استعمال کرنے کے مرتکب صرف مسلمان ہی نہیں ہیں ہندو مؤرخ بھی اُن کے ہمنوا ہیں،

"ذکر خروج سیوا و سنبھا وغیرہ مرہٹہ" اس عنوان میں جہاں جہاں سیواجی یا سنبھاجی کا نام آیا ہے گردھاری لعل نے سخت الفاظ کے بغیر یاد نہیں کیا، مثلاً

سیواے ناخلف بہ نیابت پدر بد سلف در آن دو پرگنہ (سوپہ و پونہ) می ماند سیوا مردود

سیواے ناخلف اپنے بد سلف باپ کا قائم مقام ہوکر ان دونوں پرگنہ (سوپہ و پونہ) میں رہتا ہے، سیوا

کہ در بے باکی و جلادت و مکر و حیلہ بے نظیر بود قابو یافتہ در ولایت کوکن غارتگریہا انگیخت

مردود نے کہ بیباکی، جلادت اور مکر و حیلہ میں بے نظیر تھا قابو پاکر کوکن کے صوبہ میں غارتگریاں کیں،

آن شقی . . . آن غدار نابکار . . . . مرزا راجہ بہ تلبیس آن ابلیس . . . آن ابلیس فن یعنی

سیواے مقہور" در سنہ ۱۰۹۱ سیواے لعین ہم داخل جہنم شد"

سیواجی نے جو عرضی عالمگیر بادشاہ کو لکھی تھی نقل کرکے اُس کے گستاخانہ لب و لہجہ پر مورخ موصوف خشم آلودہ ہوکر لکھتا ہے کہ جس وقت عالمگیر نے یہ عرضی پڑھی، تو

بر زبان الہام ترجمان گذشت کہ فریق زندیق بے توفیق را نمی رسد کہ با مقبولان درگاہ

زبان الہام ترجمان سے یہ نکلا کہ فریق زندیق بے توفیق کو یہ حق حاصل نہیں کہ مقبولان درگاہ صمدیت

صمدیت و منظوران نظر احدیت دم طعنہ زند، از انجا کہ آن ناعاقبت اندیش نخوت و تکبر را

اور منظوران نظر احدیت پر زبان طعن دراز کرے، چونکہ اس ناعاقبت اندیش نے نخوت اور

سرمایہ حیات خود ساختہ عنقریب بتلافی خودنمائی و بیحیائی خواہد رسید"

تکبر کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنالیا ہے اسلیے اُسکو عنقریب اسکی خودنمائی اور بیحیائی کا بدلہ ملے گا،

اس کے بعد ان الفاظ شاہی کا اثر ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہے :-

"چنانچہ آن سگ بے دم و خر بے سُم داخل جہنم شد"

چنانچہ وہ بے دم کا کتا اور بے سم کا گدھا داخل جہنم ہوا،

ایسے بھی الفاظ ہین جو سبحا کے لیے استعمال کیے گئے ہین، زیادہ لکھنے سے خود ہمارا قلم انکار کرتا ہے لہذا اسی قدر پر اکتفا کی جاتی ہے،

تصویر کا دوسرا رُخ۔ آج عالمگیر بادشاہ کے متعلق جو جدید خیال کے ہندوؤن مین راے ہے وہ ظاہر ہے، یہ بھی دیکھ لیجیے کہ یہ ہندو واقعہ نگار کیا لکھتا ہے، گردھاری لعل عالمگیر بادشاہ کی وفات کا واقعہ لکھ کر کہتا ہے،

آن [illegible] والا گہر در شیوۂ جہان داری بادشاہ عادل و در پاس شریعت و ریاضت ولی کامل بود

وہ شاہ والا گہر فرمان روائی مین بادشاہ عادل تھا اور پاس شریعت اور ریاضت مین ولی کامل تھا؛

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصّہ

خلفاے راشدین

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلۂ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شائع ہوا ہے، اسمین حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق و فضائل، اور انکی خلافت کے سیاسی انتظامی علمی دینی کارنامے، اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے گئے ہین، جن کو پڑھکر خلافت راشدہ کی ۳۰ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفاے راشدین کے کمالات فضائل مناقب اور کارنامے پیش نظر ہوجاتے ہین، ضخامت ۵۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت سے

(منیجر)

سوشیالسٹ حکومت کے نتائج

از

مولوی عبد السلام ندوی

(۴)

لیکن ان خطرات کے ساتھ اس قسم کی حکومت کے اخلاقی، اقتصادی اور انتظامی نتائج کے متعلق تمام ماہرین اقتصاد نے تصریح کی ہے کہ وہ

(۱) افراد کے ملکۂ استنباط اور ذمہ داری کے احساس کو بالکل فنا کردیتی ہے؛

(۲) اور ہر کام مین حکومت کی مداخلت سے روپیہ بہت زیادہ صرف ہوتا ہے حالانکہ اگر وہ کام افراد کے ہاتھون انجام پاتا تو اس سے بہت کم رقم صرف ہوتی،

چنانچہ موسیو (بول سردا بولیو) لکھتے ہین کہ:-

حکومت کے ہاتھ مین تمام اقتصادی قوتون کے آجانے سے فرانس جدید اپنے ملکۂ استنباط، قوت عزم، اور نشاط ذاتی کو کھوتا جاتا ہے، اور حکومت اس کو اپنا غلام بنا کر فتہ فتہ کمزور اور اُنکی اخلاقی حالت کو تباہ کر رہی ہے،

(ہربرٹ اسپنسر) کہتا ہے کہ:-

قانون سازی ایک دوسرے قانون سازی کی محتاج ہوتی ہے جو ایسے نتائج پیدا کرتی ہے جو قانون ساز کے خیال مین بھی نہین آئے تھے، کیونکہ قانون سازی لازمی طور پر دوسرے مدبرین کو پیدا کرتی ہے، حکومت کے دفتری اقتدار کو وسیع کردیتی ہے، اور ملازمین سرکاری کی تعداد کو بڑھا دیتی ہے، اور جسقدر حکومت کی مداخلت زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر افراد اپنے ملکۂ استنباط کو

گھوتے جاتے ہین اور یہ مداخلت دربردہ افراد مین یہ خیال پیدا کردیتی ہے کہ ہر نقصان کا دور کرنا

اور ہر فائدہ کا پیدا کرنا حکومت کے فرائض مین داخل ہے،

واقعات سے بھی ان اقوال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ کوئی حکومت قومی کامون کو سرکاری ملازمون کے بغیر انجام نہین دے سکتی اس یے حکومت کا دائرۂ عمل جسقدر وسیع ہوتا جاتا ہے، اسی قدر سرکاری ملازمون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا ہے، شلاً آج سے پچاس برس پہلے فرانس مین سرکاری ملازمون کی تعداد ...۱۸۸ تھی، اور حکومت کو اُن پر (۲۴۵) مین صرف کرنا پڑتے تھے، لیکن اب یہ تعداد ...۶۸۹ ہے، اور حکومت کو اُن پر ۲۷ مین صرف کر رہی ہے، اور اس تعداد مین ابھی اور بھی اضافہ ہوگا، کیونکہ تعلیم جس قسم کے افراد کو پیدا کر رہی ہے، اُن مین ملازمت کے سوا اور کسی قسم کے تجارتی زرعی اور صنعتی کامون کے انجام دینے کی قابلیت ہی نہین ہوتی، اس یے وہ لازمی طور پر ملازمتون کی طرف متوجہ ہونگے اور اس سے ملازمان سرکاری کی تعداد مین اور اضافہ ہوگا،

دفتری نظام کی یہ وسعت حکومت کے اختیارات کو غیر محدود اشخاص (ملازمین سرکاری) مین تقسیم کردیتی ہے اور اس طرح ایک ایسا مرتب و منظم سلسلہ قائم ہوجاتا ہے کہ ہر سرکاری ملازم ایک دوسرے سرکاری ملازم کا محتاج ہوجاتا ہے، یا بالفاظ دیگر ہر سرکاری ملازم ایک دوسرے سرکاری ملازم پر حکومت کرتا ہے اور یہ غلامانہ سلسلہ اسقدر طویل ہوجاتا ہے کہ اگر ایک وزیر معمولی کام بھی لینا چاہتا ہے تو اسکو درجہ بدرجہ ایک چپراسی تک کا محتاج ہونا پڑتا ہے، اور اس طرح اس سلسلہ مین اسقدر پیچ و خم پیدا ہوجاتے ہین کہ وہ ایک قفس آہنین بن جاتا ہے جس سے ایک سرکاری ملازم کا نکلنا دشوار ہوجاتا ہے، لیکن باوجود ان دشواریون کے قوم کا استقلال ذاتی اور ملکۂ استنباط اسقدر فنا ہوجاتا ہے، کہ وہ اس سے بھی بیچیدار نظام حکومت کی خواہشمند ہوتی ہے، چنانچہ دیون سی، کہتا ہے کہ

ہم کو ایک بند آب زندگانی دیتی ہے، نہایت پیچیدار اور وسیع نظام حکومت کا مطالبہ کرتی ہے،

اس یلیے حکومت کو اس مطالبہ کی بنا پر چھوٹے سے چھوٹے کامون کے یلیے بھی قوانین بنانے پڑتے ہین، اور ہر ایک کام کے یلیے ایک مستقل نظام قائم کرنا پڑتا ہے، چنانچہ پیرس مین گاڑیون کی آمد و رفت کا جو جدید نظام قائم کیا گیا ہے، وہ ۴۲۵ دفعات پر مشتمل ہے، لیکن اس قسم کے قوانین و نظام ہمیشہ تنزل پذیر قومون مین قائم کیے جاتے ہین، چنانچہ رغاستون بواسیہ کہتا ہے کہ:-

روسن قوم کے نظام حکومت مین اس قدر پیچ و خم کبھی نہین پیدا ہوا تھا جسقدر اُن کے آخر زمانہ مین پیدا ہوا، اس زمانہ مین کاغذی نظام اسقدر وسیع ہوگیا تھا کہ ایک سرکاری ملازم جب جاتا تھا تو بہت سے محرر اس کے ساتھ ہوتے تھے،

اس وسیع دفتری نظام حکومت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے تمام کام بہت دیر مین انجام پاتے ہین، چنانچہ موسیو دبورڈ، ایک چھوٹے سے شہر کا ایک واقعہ بیان کرتے ہین کہ:-

وہان ایک نہر کا دہانہ ٹوٹ گیا اور اسمین اُن کے پاس کی ایک موری کی نجاست شامل ہوگئی میونسپلٹی کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو بحث و مباحثہ کے بعد اُس نے حکومت کو اس طرف توجہ دلائی، اور بہت سے وزرا، ممبران ہاؤس آف لارڈ، ممبران پارلیمنٹ اور انجینیرون کی مداخلت کے بعد دو سال مین اس کی اصلاح و مرمت کی تجویز پاس ہوئی، لیکن اس مدت مین اس شہر کے باشندون کے دل مین بذات خود اصلاح و مرمت کا خیال تک نہین پیدا ہوا،

یہی وجہ ہے کہ جہان اس قسم کی با اقتدار مرکزی حکومت قائم ہوجاتی ہے، وہان اس زمانہ کے تمدنی سر و سامان کی بہت کمی نظر آتی ہے، شلاً فرانس کے بڑے بڑے شہرون کی صرف چند سڑکون پر برقی روشنی ہوتی ہے، اور ٹرامویے صرف اُس کے چند بڑے بڑے شہرون مین چلتی ہے،

اس تاخیر اور کمی کے ساتھ ہر چیز کی قیمت بھی گران ہوجاتی ہے، چنانچہ فرانس مین گیس کی قیمت اور ملکون سے زیادہ ہے، اور ٹیلیفون پر گفتگو کرنے کی اجرت وہان لندن، برلن، بروسیلز، اسٹرڈم اور نیو یارک سے

ین گنائی جاتی ہے، شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ حکومت کی بے پروائی اور عدم مداخلت کا نتیجہ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تاخیر اور گرانی حکومت کی توجہ اور کثرتِ مداخلت سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ (۱) اولاً تو میونسپلٹیون مین جو مرکزی حکومت کی قائم مقام ہوتی ہین ممبرون کی رایون مین سخت اختلاف و انقلاب ہوتا رہتا ہے اور اس تبدل و تغیر سے ان تمام چیزون کی کمپنیان بدلتی رہتی ہین، دوسرے دو سرمایہ دارون سے بیدریغ روپیہ وصول کرتی ہین اس لیے تاوان کے خوف سے سرمایہ دار اس قسم کی کمپنیان نہین قائم کرتے، اور جو قائم کرتے ہین اُن کو دیوالیہ ہونا پڑتا ہے، چنانچہ دو تین کمپنیون کے سوا فرانس مین ٹرامویے کی تمام کمپنیان دیوالیہ ہوگئین،

(۲) ثانیاً حکومت جن چیزون کو خریدتی ہے، ان کی قیمت ایک طویل مدت کے بعد ادا کرتی ہے، اور یہ اس کے وسیع اور پیچیدار دفتری حکومت کا لازمی نتیجہ ہے، مثلاً ایک فوج کے کمانڈر نے ایک کارخانے مین جوتہ بنوایا جسکی قیمت سات فرنک اور اسی سینٹا تھی، لیکن جب اسکو ادا کرنا چاہا تو وزارتِ جنگ کے تین خط وزارتِ مال کے ایک خط، اور دوسرے کمانڈرون اور دفترون کے افسرون کے پندرہ خط، ایک تجویز اور ایک یادداشت کے ذریعہ سے یہ رقم وصول ہوئی، اس بنا پر تاجر اس تاخیر کا معاوضہ اشیاء کی قیمت کی گرانی سے کرتے ہین، اور حکومت کو عموماً ہر چیز کی دوگنی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، بلکہ ایک یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ایک بار فوج کے لیے ۳۰ ہزار چمچے اور کانٹے خریدے تو ان مین ہر ایک کی قیمت پچاس سنتیمات ادا کرنی پڑی، حالانکہ وہ عام طور پر دس سنتیمات مین فروخت ہوتے تھے،

اس وسیع اور پیچیدار دفتری نظام سے جو مالی زیر باریان ہوتی ہین اس کی ایک نہایت واضح مثال یہ ہے کہ فرانس مین ایک اجنبی کمپنی نے دو عظیم الشان صنعتی مرکزون کے درمیان ایک ٹرامویے لائن جاری کی جسکی سالانہ آمدنی ۱،۰۰۰،۰۰۰ فرنک ہوئی، اور کمپنی کو ۷۰ فرنک دفتری نظام پر خرچ کرنا پڑا، لیکن مقامی حکومت کو ایک اجنبی شخص کی یہ کامیابی ناگوار ہوئی، اس لیے اس نے اس کی جگہ ایک فرنچ

انجینیر کو مقرر کر دیا، اور اُس فرنچ انجینیر نے سب سے پہلے نئے سرے سے دفترون کی تنظیم و ترتیب کی، اور بکثرت ملازم مقرر کیے، جن کے نام اور عہدے الگ الگ تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال سے کم مین مصارف بڑھکر ۲۰ فیصدی ہوگئے، اب کمپنی کو اپنے دیوالیہ ہونے کا خطرہ پیدا ہوا تو اس نے حکومت سے درخواست کی کہ انجینیر کا عہدہ اور اس کی تنخواہ تو قائم رکھی جائے، لیکن اس کے دفتری اقتدار کو اٹھا لیا جائے، حکومت نے اس درخواست کو قبول کر لیا، اور اب دوبارہ کمپنی کے مصارف اصلی حالت پر آگئے، لیکن اس لیٹین دفتری تجربے سے کمپنی کو تقریباً نصف ملین فرنک تاوان دینا پڑا،

اس کثرتِ مصارف کی بنا پر فرنچ نوآبادیون کی حالت نہایت ابتر ہو رہی ہے، انگریز اپنی نوآبادیون پر بہت کم روپیہ صرف کرتے ہین، لیکن فرنچ نوآبادیون پر سالانہ ۱۱۰ ملین صرف کرنا پڑتا ہے، حالانکہ ہم کو ان سے تجارتی فائدہ دس ملین بھی نہین حاصل ہوتا، بلکہ فرنچ نوآبادیون پر جو رقم صرف ہوتی ہے اس سے دوسری قومون کی تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ قومین جس نرخ پر اپنے تجارتی سامان فروخت کرتی ہین، ہم اُس نرخ پر فروخت کرنے سے عاجز ہین، اس لیے ہماری نوآبادیون کے باشندے دوسری قومون سے کاروبار کرتے ہین، چنانچہ ان لوگون نے دوسری قومون سے جو تجارتی سامان خریدے ہین، اس کا موازنہ اگر فرنچ تجارتی سامان سے کیا جائے تو ان کی قیمت ۴۰ ملین زیادہ ہوتی ہے، لیکن اس کی وجہ صرف وہ وسیع اور پیچیدار دفتری نظامِ حکومت ہے جس نے ہماری تجارت کو شکنجے مین جکڑ رکھا ہے، مثلاً کوشنتین مین جسکی مردم شماری ۲،۳۰۰،۰۰۰ ہے ہم نے جسقدر ملازم رکھے ہین اُن کی تعداد اُن ملازمون سے زیادہ ہے، جن کے ذریعہ سے انگریز ۲۵۰ ملین ہندوستانیون پر حکومت کر رہے ہین، سرکاری ملازمین کی اس کثرت اور دفتری نظام کی اس وسعت کو دیکھ کر ایک اخبار لکھتا ہے کہ :-

شاہان داہومی کے دورِ حکومت مین اُن کے ملکون کے قیام کو ہمارے تاجر ہماری نوآبادیون کے قیام پر ترجیح دیتے ہین کیونکہ اُن کو ان نوآبادیون مین خطرناک دفتری پیچیدگی محسوس ہوتی ہے ہم اپنے اوپر

حکومت کرنے کے اصول سے ناواقف ہوکر جن دفتری مظالم کے سامنے مجبوراً سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اُن کے سامنے ظالم سے ظالم بادشاہ بھی ہیچ ہیں،

اس بنا پر دفتری نظام حکومت سے لازمی طور پر بجٹ میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے، چنانچہ ۱۹۰۶ء میں ہمارا بجٹ ایک ملیار اور آٹھ سو ملین کا تھا، لیکن اب ترقی کرکے چار ملیار ہوگیا، اور اگر اس میں میونسپلیٹیون کا بجٹ بھی شامل کرلیا جائے تو اس کی مجموعی تعداد پانچ ملیار ہوجاتی ہے، لیکن اس قسم کے بجٹ کی کمی صرف ٹکسون کے ذریعہ سے پوری کی جاسکتی ہے، اس لیے حکومت کو ہر چیز پر غیر معمولی ٹکس لگانا پڑتا ہے، اور جو چیزین معمولاً جس قدر زیادہ استعمال کی جاتی ہین اسی قدر اُن پر ٹکس کی شرح زیادہ ہوتی ہے، مثلاً شراب پر جو ٹکس لگایا گیا ہے اس کی تعداد اس کی اصلی قیمت سے دس گنا زیادہ ہے، نمک، تنباکو اور پٹرول کا بھی یہی حال ہے، ۱۸۹۰ء میں موٹر کمپنی نے جو رپورٹ مرتب کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومت یا میونسپلٹی کو ۶۵ فرنک منافع کے مقابل میں ۱۴۹ فرنک ٹکس ادا کرتی ہے، اُسکو سو فرنک پر دو سو فرنک ٹکس دینا پڑتا ہے، اس بنا پر حکومت کا اقتدار جس قدر بڑھتا جاتا ہے، اُسی قدر تمام پبلک اور صنعتی کاروبار تباہ ہوتے جاتے ہین، فرانس کی طرح دوسری لیٹن سلطنتون میں بھی جہان ایسی ہی وسیع الاقتدار حکومت قائم ہے، دفتری پیچیدگی کا یہی حال ہے، چنانچہ ایک اٹالین افسر نے اٹلی میں سوشیالسٹ حکومت اور اس کے نقصانات کے متعلق جو یادداشت مرتب کی ہے اُس کے چند اقتباسات حسب ذیل ہین،

> سرکاری افسر جو گشنرون کے حاکم ہین صرف یہی نہین کہ ہم ان کو احکام کے ایجاد کرنے کا مجاز نہین کرتے، بلکہ اُن کو یہ بھی اجازت نہین دیتے کہ وہ اُن کی تشریح کرین اور اُن کو عمل مین لائین، حالانکہ انتظامی حیثیت سے یہ نہایت ضروری ہے، اگر ہم اُن کے اُن فرائض و اختیارات کو جو قانون سرکاری فرامین اور وزراء کے حکم سے ان کو حاصل ہین مستثنیٰ کردین تو وہ ایک قدم بھی بغیر اس کے نہین اٹھا سکتے کہ ایک زیردست ان کو حکم دے پھر دوسرا وزیر اسکی تائید کرے اور کمشنر اور دو کار ال

> دفترون اور یونیورسٹیون کے افسر چھوٹی سی چھوٹی رقم بھی اس وقت تک صرف نہین کرسکتے جب تک کسی وزیر کی اجازت نہ حاصل ہوجائے، میونسپلٹی یا کوئی خیراتی انسٹیٹیوشن اگر ایک میٹر رقبہ کی زمین خریدنا یا چند فرنکس کی وصیت قبول کرنا چاہے تو اس کو میونسپلٹی کی کمیٹی یا اُس خیراتی کام کے دفتر سے مشورہ لینا پڑیگا، اور یہ ضروری ہوگا کہ کمشنری کی انتظامی مجلس اُس سے اتفاق کرے، بادشاہ کے سامنے اجازت حاصل کرنے کے لیے اس تجویز کو پیش کرے اور اسکو ایک یادداشت کے ساتھ وزارت کے دفتر مین بھیجے، اُس کے ساتھ اسناد نتھی کرے، پھر وزیر اس کے متعلق مجلس شوریٰ میں ایک یادداشت پیش کرے اور وہ مجلس اپنی رائے اُس کے متعلق ظاہر کرے پھر بادشاہ اپنی دستخط سے ایک فرمان صادر کرے، اور مجلس حساب کے سامنے اُسکی تصدیق ہو،

اس طرز حکومت نے اٹلی میں سرکاری ملازمین کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے، اور اُس کا بجٹ مصارف سے لبریز ہوگیا ہے، اس وقت ہندوستان کے جمہوریت پسند اصحاب جو رفارم اسکیم کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہین کیا ان تصریحات پر غور کرینگے؟ کیا وزراء اور اُن کے اسٹاف کی تنخواہون نے بجٹ میں کوئی غیر معمولی اضافہ نہین کیا؟ اور کیا اس سے دفتری اقتدار میں پہلے سے زیادہ وسعت نہین پیدا ہوگئی؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

عربِ قدیم پر مستشرقین کی ایک نئی کتاب

از

جناب شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج، جھنگ

زمانۂ حال کا پہلا یورپی سیاح جس نے عرب اور خصوصاً یمن کے آثار عتیقہ کا علمی لحاظ سے مطالعہ کیا، اور اپنے سفر کے حالات کو ایک لائقِ استناد کتاب میں جمع کیا، ڈنمارک کا ایک عالم نی بہر (NIEBUHR) نامی تھا، یہ ایک اتفاق حسنہ ہے کہ اس کے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد اسی کے ایک ہموطن یعنی ڈاکٹر نیلسن (کوپن ہیگن یونیورسٹی) نے عرب قدیم کی تاریخ، تمدن، مذہب، زبان، کتبات اور دیگر آثار کے متعلق ایک جامع و نافع تاریخ مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ ان شعبوں میں زمانۂ حال میں اس وقت تک جو تحقیقات ہو چکی ہیں، اُن کے نتائج کو ایک کتاب کی صورت میں یکجا پیش کیا جائے، یہ وہی ڈاکٹر نیلسن ہیں جو آج سے چند سال پہلے عرب کے قدیم مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھ چکے ہیں، اور جن کی تحقیقات اور خیالات سے مشہور مستشرق لنڈبرگ کو شدید اختلاف رہا ہے چنانچہ صاحب موخر الذکر اپنی تحریروں میں ایک سے زیادہ دفعہ لکھ چکے ہیں کہ میں ناظرین سے نیلسن کی کتاب (عرب کا قدیم مذہب) پڑھنے کی ہرگز سفارش نہیں کر سکتا، بہرحال اس اہم کام کی انجام دہی میں متعدد جرمن علمائے مستشرقین نے جو عرب قدیم کی اثریات کے ماہر خصوصی ہیں، اُن کے ساتھ شرکت اور رفاقت کی ہے، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں،

(۱) فرنس ہومل جو منشن یونیورسٹی کے ایک پرانے اور مسلم الثبوت استاد، اقوام والسنۂ سامیہ کے متعلق متعدد اور مستند کتابوں کے مصنف اور شاید ڈاکٹر نیلسن کے استاد ہیں (۲) رودوکناکس (وین آسٹریا)

جو اس سے پیشتر یمن کی قدیم زبان اور وہاں کے کتبوں کے متعلق اپنی تحقیقات شائع کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں (۳) گروہمن (۴) اور لتمان،

کتاب ہذا تین جلدوں میں مکمل ہوگی، ان میں سے پہلی جلد جو عرب کے قدیم تمدن کے لیے وقف کی گئی ہے شائع ہو چکی ہے، اور عمدہ کاغذ پر نہایت نظر افروز شکل وصورت میں چھپی ہے اور ۶۷ تصاویر کے ساتھ مزین ہے، جو زیادہ تر قدیم محلات خرابات، کتبات اور دیگر آثار پر مشتمل ہیں اس جلد کے کئی حصے یا ابواب ہیں، پہلے باب میں اس کتاب کے مرتب و مدون یعنی نیلسن کا ایک مبسوط مضمون بطور مقدمہ کے ہے جس میں اُنھوں نے عربی اثریات کے متعلق زمانۂ حال کی تحقیقات اور اکتشافات کی تاریخ بیان کی ہے، اور اُس کے مختلف شعبوں میں نی بہر کے علمی سفر سے لیکر آج تک جو ترقی عہد بعہد ہوئی ہے اس کا ذکر کیا ہے، باقی ابواب یا حصص کی تفصیل حسب ذیل ہے،

ہومل :- جنوب عرب کی تاریخ کا مختصر خاکہ :-

رودوکناکس :- جنوبِ عرب کی قدیم ریاستوں میں لوگوں کی عام طرزِ معاش،

گروہمن :- جنوبِ عرب کے آثار عتیقہ،

نیلسن :- عرب کا قدیم مذہب،

ڈاکٹر ادوارد گلازر یمنی آثار کے ایک مشہور محقق گذرے ہیں، اُنھوں نے اپنے سفروں میں اندرون عرب سے بہت سے کتبے حاصل کیے تھے، جو اب وین (آسٹریا) کی "مجلس علمی" میں محفوظ ہیں، ڈاکٹر صاحب مذکور اپنی حین حیات میں ان کتبات کے متعلق اپنی تحقیقات شائع کر گئے تھے، اب یہ انتظام کیا گیا ہے کہ یہ تمام قیمتی اور پُراز معلومات کتبات مع ترجمہ و تشریح کے زیر تبصرہ کتاب کی آئندہ جلدوں میں شائع کیے جائیں، مذکورۂ بالا مضامین کے علاوہ قدیم زبان کی صرف و نحو اور فہرست الفاظ درج کی جائیگی،

امید ہے کہ جب یہ کتاب مکمل ہو چکے گی تو اس کے واسطے علماء کے لیے قدیم عرب کے متعلق

ایسا مواد اور مسالہ مہیا ہوگا جس سے اب تک استفادہ نہین ہوا تھا، اور جنوبی عرب سبا، معین اور ثمود وغیرہ کے متعلق بہت سے نئے معلومات روز روشن مین آئین گے

یہ کتاب اپنے مضامین کی اہمیت کے لحاظ سے اس لایق ہے کہ اس کا ترجمہ اُردو مین کیا جائے، جسکے ذریعہ سے اُردو دان اصحاب بھی مستشرقین کی محنت اور ان کی علمی تحقیقات سے مستفید ہوسکین، اس بارہ مین میرا روے سخن ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی ایسے اصحاب سے ہے، جو عربی زبان کے استاد و فاضل ہونے کے ساتھ جرمن زبان مین بھی خوب مہارت رکھتے ہین، انھون نے لسانیات ایران کے متعدد حصص کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے (دیکھو اورنٹیل کالج میگزین بابت فروری ۲۷ء) میری ناچیز راے مین کتاب ہذا اگر بدرجہ اولی نہین توکم ازکم بدرجہ مساوی اس بات کی ضرورستحق ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اس کے ترجمہ اور اشاعت کی طرف توجہ مبذول فرمائین، بندہ بھی حسب استطاعت خود بعض حصص کا ترجمہ اپنے ذمہ لیکر اس مفید کام مین اُن کا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ وہ کسی شریک کار کی ضرورت محسوس کرین،

گل رعنا

از جناب مولانا حکیم عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ

جسمین اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اُردو شعراء کے صحیح حالات اور اُن کے منتخب اشعار اور اُن کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہین، دار المصنفین اعظم گڈھ نے شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ اعلی ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت صہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

ریڈ انڈین کون ہین؟

مسٹر ویریل نامی ایک شخص نے ابھی حال مین ایک کتاب لکھی ہے جسمین انھون نے ثابت کیا ہے کہ امریکہ کے ان اصلی باشندون کو "ریڈ انڈین" (سرخ ہندوستانی) کہنا کسی طرح مناسب نہین ہے، اس لیے کہ ان کا ایک بہت ہی مختصر حصہ اس رنگ کا ہے، شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ ہردو براعظمون مین جو مختلف قبائل آباد ہین اُن کے رنگ بہم مختلف ہین، بعض ان مین سے تقریباً سیاہ ہین، بعضون کا رنگ جنوبی یورپ کے باشندون سے قدرے زردی مائل ہے اور بعض شمالی قبائل کا رنگ سرخ بھی ہے اور اسی سے غالباً متاثر ہوکر پچھلے سیاحون نے اُن کا یہ نام رکھ دیا ہے، لیکن اگر ان مین بعض قبائل رنگ کے اعتبار سے سرخ بھی ہین پھر بھی ہندوستانی ان مین سے کوئی نہین ہے، لہذا تا وقتیکہ ان کا کوئی جدید نام نہین رکھا جائیگا یہ اسی قسم کے مختلف نامون سے (مثلاً ریڈ انڈین، ریڈ مین اور ریڈ اسکن) پکارے جائین گے،

اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ باشندے دراصل کہان سے آئے؟ اور یہ اسقدر پیچیدہ سوال ہے کہ علم الانسان کے ماہرین آج تک اسمین پریشان ہین، جس نظریہ پر سب سے زیادہ اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایشیا سے شمال ومغربی گوشہ کے راستہ سے آئے، اور رفتہ رفتہ مشرقی ساحل کی جانب وسطی اور جنوبی امریکہ کے پہاڑون اور میدانون مین پھیل گئے، یہان کے مختلف قبائل کے زبان وتمدن اور جسمانی ساخت وغیرہ مین جو شدید اختلافات ہین اور مایا اور ایزٹک جیسی قومون کی تہذیبین جو اسوقت موجود ہین اُن کے متعلق متعدد اور مختلف نظریے پیش کیے جاچکے ہین، لیکن مسٹر ویریل کا نظریہ ان سب سے

جداگانہ ہے، یہ تسلیم کرتے ہوے کہ بعض شمالی قبائل منگولین نسل سے معلوم ہو رہے ہین اور اس بنا پر وہ شمالی ایشیا کے راستہ سے ضرور آئے ہون گے، لیکن اگر ایک محدود رقبہ کے اندر دیکھا جائے تو تمام منگولین اثرات ختم ہو جاتے ہین اور وسطی اور جنوبی امریکہ کے بعض قبائل تو شمالی ایشیا سے زیادہ ملایا اور پولینیشیا سے آئے ہوے معلوم ہوتے ہین، بعض ان مین بہت نمایان طور پر سامی شکل وصورت کے نظر آتے ہین، اور اب تک ان مین سامی رسوم ورواج چلے آتے ہین، اس کے علاوہ ان مین جو مختلف زبانین رائج ہین، ان کا ان قبائل کی زبانون سے کوئی تعلق نہین جو ایشیا کے شمال مغرب مین بستی ہین، بلکہ یہ اختلاف زبان اختلاف مذہب اور اختلاف رسوم اس بات کا صاف پتہ دیتا ہے کہ وہ کسی ایک نسل سے نہین ہین، مسٹر ڈیریل کو ان اختلافات کی تاویل کی بجز اس کے اور کوئی دلیل نہین ملی کہ وہ اولاً تو یہ کہین کہ انسانی نسل کا شیوع بذات خود یہین ہوا اور ثانیاً یہ کہ بعد مین مختلف قومون اور نسلون کے باشندے بھی مثلاً ایشیا کے مختلف حصون ملیشیا، پالینیشیا اور یورپ سے آ آ کر ملتے رہے، نیز یہ بھی امکان ہے کہ بحر اطلانتک کے ساحلی ممالک اور بحر الکاہل کے اُس بر اعظم سے بھی جو کسی زمانہ مین اُس کے وسط مین تھا، کچھ لوگ آئے ہون گے، یہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ نسل انسانی کا شیوع بذات خود اسی خطہ مین ہوا ہے، جسے آج ہم دنیاے جدید یا نئی دنیا کے نام سے موسوم کرتے ہین، بلکہ کثرت شواہد اور دلایل اس امر کی طرف لیجاتے ہین کہ یہ شیوع انسانی یہان یورپ سے کہین پیشتر وجود مین آیا ہے،

مسٹر ڈیریل کے اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض جو ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سرزمین مین اب تک شیوع انسانی کے کوئی آثار نہین پائے گئے ہین لیکن اس کے جواب مین وہ یہ کہتے ہین کہ اب تک ان آثار کی تلاش ہی نہین ہوئی ہے اور کوئی وجہ نہین ہے کہ کل کو یا آئندہ سال تک یہ آثار نہ مل جائین، لیکن اس جواب مین جو خامی ہے وہ یہ کہ امریکہ مین نہ صرف بوزنہ صورت انسان کا پتہ نہین چلتا ہے بلکہ کسی ایسے وجود ہی کا خواہ زندہ ہو یا مردہ سرے سے پتہ نہین ہے جو انسان اور

بندرون کے مشترک باپ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو، دنیاے جدید اور دنیاے قدیم کے بندرون مین بہت بڑا فرق ہے، لیکن پھر بھی یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ تمام درمیانی کڑیان غائب ہو گئی ہون گی،

بہرحال اس کتاب کے سب سے دلچسپ ابواب وہ ہین جن مین مسٹر ڈیریل نے وسطی اور جنوبی امریکہ کے بعض قبائل کے عادات، اخلاق، رسوم ورواج، اور مذاہب کے حالات بیان کیے ہین جو معلومات کے اعتبار سے بالکل نئے معلوم ہوتے ہین، اُن کے عادات واخلاق کے متعلق اب تک جو عام خیال چلا آتا تھا اس کی انھون نے نہایت زور دن سے تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ گوری قومون کا اثر ہے ورنہ یہ سُرخ ہندوستانی (ریڈ انڈین) بالعموم نہایت سنجیدہ، بااخلاق اور دیانتدار ہوتے ہین، یہ جانورون پر بہت مہربان ہوتے ہین اور پالتو جانور رکھنے کے بہت شایق ہوتے ہین، وہ لکھتے ہین کہ مین نے اکثر ایسے (سُرخ) ہندوستانیون کو دیکھا ہے جنھون نے صرف اس خیال سے اپنے خیمون کی جگہین بدلدی ہین کہ کسی پرندے کو اپنا گھونسلا بنانے مین تکلیف نہ ہو، باوجود اس کے کہ ان گوری قومون نے انھین طرح طرح کے فریب اور دھوکے دیے ہین، ان پر ہزار ہزار ظلم وستم کیے ہین، انھین مختلف ایذائین پہنچائی ہین، انھین اپنا غلام بنا رکھا ہے (اور یہ سلوک اور برتاؤ ان کے ساتھ ابتدا سے چلا آتا ہے) پھر بھی ان کا ان اوصاف اور اخلاق کے ساتھ زندہ اور باقی رہنا ایک حیرت انگیز امر ہے، یہ عجیب بات ہے کہ برٹش گائنا جو خراب حکومت کے لحاظ سے بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، صرف وہی ایک جگہ ایسی ہے جہان (سُرخ) ہندوستانیون کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا ہے، ورنہ تمام امریکہ مین اُن کے ساتھ برا برتاؤ کیا جاتا ہے،

مصر کا ایک نیا دیوتا

مصر کو اپنے قدیم تہذیب وتمدن کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے اور مصریون کو اسپر اسی قدر ناز ہے کہ اب وہ اپنے وطن کو قدیم تہذیب وتمدن کا اصل گہوارہ قرار دینے کا بانگ دہل دعوی کر رہے ہین یہی

وجہ ہے کہ مصری اخبار و رسائل مین وہان کے قدیم تاریخ و تمدن پر ہمیشہ بحث و تحقیق ہوتی رہتی ہے اور وہ اپنی قدیم تاریخ کے چہرہ سے تاریکی کے بہت سے پردون کے چاک کرنے مین کامیاب ہو چکے ہین؛

لیکن افسوس ہے کہ مصر کی بارھوین سے سترھوین حکومت تک کا زمانہ ابتک تاریکی مین پڑا ہوا ہے، اور اہل علم مین اس دور کے متعلق بہت زیادہ اختلافات ہین مگر مصر کی خوش قسمتی سے امریکہ کی ایک جماعت مصر کے قدیم تاریخ و تمدن کی جلوہ آرائی کی طرف مائل ہو گئی ہے اور اس لیے وہان چند سال سے کھدائی کے ذریعہ اکتشافات کا ایک وسیع سلسلہ جاری ہے؛

ان چند سالون مین وہان کھدائی کا جو سلسلہ جاری رہا اس مین نمایان کامیابی حاصل ہو چکی ہے، اور وقتاً فوقتاً "معارف" کے اخبار علمیہ مین اُن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اب اسی سلسلہ مین جدید ترین اکتشافات جو ۱۹۲۲ء کے اواخر مین اتمام کو پہونچے ہین وہ ہیکلِ مدمود کے چند آثار ہین؛

ان آثار مین سے شاہ سنوسرت سوم کا ایک مجسمہ ہے، جس کی کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مصر کی تیرھوین حکومت سے تعلق رکھتا ہے، جو ۲۲۲۰ ق م سے ۲۲۶۱ ق م تک وہان قائم رہی؛

اور اسی مقام پر ایک دوسرا مجسمہ ملا ہے جسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ سرزمینِ مصر پر اب تک جتنے آثار دستیاب ہوئے، ان مین اُس کی کوئی دوسری نظیر موجود نہین ہے، کیونکہ یہ مجسمہ معبود منتو کا ہے جسکو علم الاصنام مین لڑائی کا دیوتا کہا جاتا ہے، اور اسی کے قریب اس کی رفیقہ راتوی کا مجسمہ بھی بنا ہوا ہے، علم الاصنام کے ان دونون دیوتا اور دیبی کے یہ مجسمے سب سے پہلی مرتبہ دستیاب ہوے ہین اُن کے اکتشافات سے کم از کم تاریخ کا یہ مسئلہ تقریباً حل ہو گیا کہ مصر مین وہان کی بارھوین حکومت سے رومانیون کے زمانہ یعنی تقریباً تین ہزار برس تک ان دونون کی پوجا کی گئی ہے، اس لیے مصر کے مشہور دیوتا رَع (سورج) سے ان دونون دیوتا اور دیبی کی پرستش کا زمانہ مصر مین زیادہ طویل ہے، اس نظریہ کی مزید تائید پتھر کی ایک لوح سے بھی ہوتی ہے جو اسی جگہ دستیاب ہوئی ہے، اس لوح مین حکومت رومانیہ کے ایک شاہی خانوادہ کی تصویر اس طرح منقوش ہے

کہ والدین اپنے دو بچون کے ساتھ ہیکلِ مدمود کی ایک عید کے موقع پر وہان زیارت کے لیے آئے ہین اور وہ ایک ضیافت مین مصروف ہین؛

ہیکلِ مدمود مین ان مجسمون کے علاوہ ایک خاص دیوار بھی کھڑی ہوئی ملی ہے، جس پر بعض عبارتین کندہ ہین جس سے بعض اہم تاریخی عقدون کے حل ہونے کی امیدین وابستہ ہین اُن کے علاوہ اس مقام پر بعض تاریخی شخصیتون کے چند اور مجسمے بھی پائے گئے ہین؛

امید کی جاتی ہے کہ یہ اکتشافات مصر کی قدیم تاریخ و تمدن کے بعض اہم اسرار کی عقدہ کشائی کرینگے؛

«۲»

عورتین بابل کے قانون مین

مسٹر جان ال ربک نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے کہ عورت نے قدیم بابلیون کے عہد سے موسوی شریعت تک اپنے حقوق و مرتبہ مین کیا ترقی کی، مصر کے ایک ممتاز اہل قلم استاذ سلیم عقاد نے عربی مین "المرأۃ فی قانون حمورابی وفی القانون الموسوی" کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے، جو چند دن ہوے کہ ہمارے کتبخانہ مین موصول ہوئی ہے، مناسب ہے کہ مختصر طور پر اُس کے مباحث کا خلاصہ ناظرینِ معارف کے سامنے پیش کر دیا جائے؛

کتاب تین فصلون پر مشتمل ہے، پہلی فصل مین کلدانی حکومت کو دو دور قدیم بابلی اور حمورابی حکومت مین تقسیم کر کے دو بابون مین جگہ دی گئی ہے، چنانچہ پہلے دکھایا گیا ہے کہ قدیم بابلیون کے عہدِ حکومت مین جو تقریباً ۵۰۰۰ برس کا زمانہ ہے، عورتین مردون سے روپوش رہتی تھین، باپ کو حق حاصل تھا کہ اپنی لڑکیون کو ضرورت کے وقت چند روپیون مین فروخت کر دے، اور یہ خرید و فروخت برابر جاری رہتی، مرد اپنی بیوی کو صرف یہ کہکر طلاق دیسکتا تھا کہ "تو میری بیوی نہین" اور اس پر نہ کوئی ملامت کی جاتی اور نہ اس عہد کی سوسائٹی مین یہ فعل مذموم خیال کیا جاتا، لیکن اگر عورت کی زبان سے یہ جملہ نکلتا کہ "تو میرا شوہر نہین" تو وہ نہ صرف سوسائٹی مین

مطعون ہوتی بلکہ قانون کے حکم سے غرقاب کردی جاتی، اور اسی طرح اسی عہد مین یہ انسانیت سوز طریقہ بھی جاری تھا جیسا کہ مورخ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ ہر عورت کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی زندگی مین ایک مرتبہ ہیکل زہرہ مین جاتی اور کسی شخص سے ...... اور اس کے ساتھ وہ اسوقت تک ہیکل سے باہر قدم نہین رکھ سکتی تھی جب تک کہ وہ اس کا معاوضہ بھی کسی معمولی رقم کی صورت مین قبول نہ کرلیتی کہ یہ ایک دینی و مذہبی کام تھا اور وہ رقم نہایت متبرک و مقدس تصور کی جاتی تھی چنانچہ وہ شخص اپنی طرف سے وہ رقم یہ الفاظ کہتے ہوئے عورت کے سپرد کرتا کہ "دیبی زہرہ سے دعا کر کہ وہ مجھ سے راضی ہوجائے"

اس کے بعد دوسرے باب مین بتایا گیا ہے کہ پھر بابل مین حکومت حمورابی کا دور ۲۲۵۰ق م سے شروع ہوتا ہے جو تقریباً تمام پچھلی شریعتون اور قانونون کو منسوخ کردیتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ سنہ ۱۹۰۲ء مین موسیو مورگی کی سرکردگی مین جو وفد بلادِ فارس گیا تھا اس نے خطۂ سماری مین ایک حجری ستون کا انکشاف کرکے اس عہد کے تمام قوانین اہل علم کے سامنے پیش کردیے ہین جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کے دوران انسانیت کا جہان تک اقتضا تھا، عورتون کے حقوق و مرتبہ مین نمایان ترقی ہوئی، مثلاً جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ قدیم بابلیون کے عہد مین عورتون کو طلاق لینے (خلع کرانے) کا مطلق حق حاصل نہ تھا، اور اگر ایسا کرتین تو عبرتناک سزائین دیجاتی تھین مگر حمورابی قانون نے عورتون کو اجازت دی کہ اگر ان کے پاس معقول وجوہ موجود ہون تو شوہر سے طلاق لے سکتی ہین، اور اب یہ فعل نہ قانونی جرم باقی رہا، اور نہ سوسائٹی مین غیر مستحسن سمجھا جانے لگا، مگر پھر بھی اس دور کے قانون مین بعض نقائص موجود رہ گئے تھے، مثلاً جن عورتون پر زنا کی تہمت لگائی جاتی، وہ دریا مین ڈال دی جاتین اگر وہ پانی کی سطح پر آجاتین تو وہ پاکباز ٹھہرتین اور اگر غرقاب ہوجاتین تو مجرم تصور کیجاتین

لیکن مولف نے یہ الزامی جواب دیکر قانون حمورابی کی طرف سے مدافعت کی ہے کہ اس عہد سے زیادہ متمدن عہد یعنی قرون وسطی مین بھی گرجا کا یہی قانون تھا اور اسکو خدائی حکم (Jugement de dieu ou Ordalie) سے تعبیر کیا جاتا تھا،

پھر کلدانیون کے بعد بنی اسرائیل کا دور آیا اور یہین سے کتاب کی دوسری فصل شروع ہوتی ہے، اس عہد کو بھی مولف نے دو دورون مین تقسیم کیا ہے، ایک حضرت موسیٰؑ سے پہلے بنی اسرائیل کا دور اول ہے اور دوسرا دور حضرت موسیٰؑ سے شروع ہوتا ہے اس موقع پر مولف نے مختلف مثالون سے دکھایا ہے کہ عورتون کے حقوق اور مرتبے کسی قدر جزوی انقلاب کے ساتھ بنی اسرائیل کے اس پہلے دور مین بھی حمورابی دور کے مماثل رہے، البتہ بعض قوانین مین ترمیم و اصلاح ہوئی، مثلاً اب متہمہ عورتون کو دریا مین ڈالنے کے بجائے ایک قسم کا متبرک تلخ پانی پلایا جاتا جسمین جوتون کی روندی ہوئی مٹی بھی ملائی جاتی، اگر وہ پانی اس عورت کو نقصان پہونچاتا تو وہ مجرم سمجھی جاتی ورنہ الزام سے بری کردیجاتی

اس کے بعد موسوی عہد مین عورتون کے حقوق و مراتب بتائے گئے ہین اور مولف نے مختلف دلائل و براہین اور یورپ کے ممتاز اہل علم کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ یہی وہ شریعت ہے جس نے عورتون کو انکے شایانِ شان حقوق و مراتب عطا کیے، اور جس کے قوانین انسانیت، شرافت، اور موجودہ تمدن کے صحیح معیار پر پورے اترتے ہین، البتہ متہمہ عورتون کو اس دور مین بھی پانی پلانے کا وہی طریقہ جاری رہا، اور اسی سلسلہ مین عورتون کے متعلق موسوی شرائع کا دنیا کے مختلف شرائع و قوانین سے موازنہ بھی کیا گیا ہے، اور درحقیقت مولف کی سعی و محنت اور وسعتِ علم کا اسی موازنہ و تقابل سے پتہ چلتا ہے، اس موازنہ و تقابل مین موسوی شریعت کو فرانس کے مدنی قوانین پر بھی ترجیح دی گئی ہے

سب سے آخری فصل مین قانون حمورابی اور موسوی کا تفصیلی موازنہ ہے جسمین جرمنی کے ایک ممتاز اہل قلم فریڈرک ڈلیٹش کے اس نظریہ کا تار و پود بکھیرا گیا ہے کہ قانون حمورابی کو شریعت موسوی پر تفوق حاصل ہے، مولف نے مثال کے طور پر دکھایا ہے کہ حمورابی قانون مین عورتون کو اپنی ملک مین تصرف کا کوئی اختیار نہین دیا گیا ہے، اور فرانسیسی قانون مین اس کا یہ حق اور زیادہ سلب کرلیا گیا ہے کہ وہ اپنی مملوکہ اشیا کو نہ فروخت کرسکتی ہے نہ رہن رکھ سکتی ہے اور نہ اس کو شوہر کی مرضی کے خلاف کسی قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، برخلاف اسکے موسوی شریعت مین عورتون کو اس معاملہ مین ان شرائع سے بہت کچھ زیادہ حقوق حاصل ہین، افسوس ہے کہ مولف نے اپنے اس موازنہ و تقابل مین اسلامی شریعت کو پیش نظر نہین رکھا، ورنہ اسکے سامنے عورتون کے حقوق کا ایک اور عالم ہوتا،

"ر"

اخبارِ علمیہ

طبقات الارض کی کانفرنس، گذشتہ مہینہ مین واشنگٹن مین علم طبقات الارض کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کے اجلاس متواتر بیس دن تک ہوتے رہے، اس کانفرنس مین مختلف ممالک کے نمایندے شامل ہوئے تھے، چنانچہ حکومتِ مصر کی طرف سے استاذ محمود بک اباظہ جو مصر کے باغات کے ناظم اعلیٰ ہین بھیجے گئے تھے تاکہ وہ کانفرنس کے سامنے باغات کے متعلق اپنے تجربات پیش کرین کانفرنس طبقات الارض کے مختلف اہم مباحث پر بحث کرتی رہی حکومت ولایات متحدہ امریکہ نے اراکینِ موتمر کی خاص پذیرائی کی، چنانچہ ایک مخصوص ٹرین اُن کے لیے متعین کردی گئی تھی کہ وہ اسپر پورے ملک کا دورہ کرسکین،

ترکون کی عظیم الشان قومی تاریخ کی تدوین، علم تاریخ وجغرافیہ کو قومون کے عروج وزوال کے اسباب مین خاص امتیاز حاصل ہے، اس لیے حکومتِ ترکی نے ان علوم کی طرف خاص اعتنا کیا ہے، چنانچہ ان دونون علوم کی تدوین کے لیے علحدہ علحدہ دو مجلسین قائم کی گئی ہین جن کے ارکان ایسے ترک اہل علم منتخب ہوے ہین جو ترکی قومیت کے سب سے ذی العقیدہ پیرو ہین، یہ لوگ دس پندرہ سال مین قوم ترک اور بلادِ ترکیہ کی مستند مکمل اور ضخیم تاریخ وجغرافیہ مرتب کرینگے، جن کے ماخذ جہانتک ممکن ہو مستند سے مستند ہون گے، ان ماہرین کو اسکی بھی اجازت دیگئی ہے کہ وہ اپنی خدمت مین غیر ملکون کے دیگر مستند مورخین وجغرافیہ دانون سے اشتراکِ عمل کرین،

طہران مین عربی تعلیم، مصر کی حکومت کے سامنے قونصل مصر متعینہ ایران نے ایران کے پایۂ تخت طہران مین ایک عربی مدرسہ قائم کرنے کی تحریک پیش کی تھی جسپر سردست حکومتِ مصر نے دو لائق اساتذہ کو ایران بھیجا ہے، جو وہان کے مدارس مین عربی زبان کی تعلیم دینگے،

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی سیرت پر محدثین نے متعدد کتابین لکھی تھین، جن مین سے ایک یعنی امام ابن جوزی کی سیرت چھپ چکی ہے لیکن ابھی حال مین ان کی سب سے قدیم سیرت ایک مصری عالم نے نہایت اہتمام اور تصحیح کے ساتھ شائع کی ہے اس کے مصنف ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکیم ہین جن کا زمانہ ۱۵۵ھ سے ۲۱۴ھ ہے، یہ امام شافعی کے معاصر اور امام مالک کے شاگرد ہین حضرت عمر بن عبد العزیز نے ۱۰۱ھ مین وفات پائی ہے اس لیے یہ گویا ان کی وفات کے سب سے قریب عہد مین لکھی گئی ہے اور ان کے واسطے سے لکھی گئی ہے، جنھون نے صرف ایک دو واسطون سے اُن کے حالات سے واقفیت بہم پہونچائی تھی،

ٹیگور کی درسگاہ اور شاہانِ اسلام، گذشتہ سال ٹیگور مصر گئے تھے اہل مصر نے ان کا ان کے شایانِ شان استقبال کیا تھا، اور وہان کے شعرا نے اپنے عربی قصائد اُن کے سامنے پیش کیے، اور عربی شاعری کے محاسن اور امتیازات اُن کو بتائے اس وقت اُنھون نے اس زبان سے ناواقفیت کا عذر کیا لیکن وعدہ کیا کہ وہ ادھر توجہ کرین گے، اس کا اثر یہ ہوا کہ ٹیگور کو عربی ادبیات کا بھی احساس ہوا اور اپنی درسگاہ کے کتبخانہ کیلیئے عربی کی کتابین جمع کرنے کا خیال ہوا، شاہِ مصر نے ان کے اس خیال کی پوری قدر دانی کی اور عربی ادبیات کی مصری مطبوعات اُن کی درسگاہ کے کتبخانہ کیلیے ہدیۃً بھیجی ہین اور اعلیٰ حضرت نظام دکن نے ایک لاکھ روپے کی شاہانہ امداد اس غرض سے ان کو عنایت کی ہے کہ اس سے وہ اپنی درسگاہ مین اسلامی ادبیات کی ایک کرسی قائم کرین،

اڈیٹر المقتطف کی وفات، علمی حلقہ مین یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سُنی جائیگی کہ مصر کے مشہور علمی، صنعتی، زراعتی اور فلسفیانہ رسالہ المقتطف کے دوسرے اڈیٹر ڈاکٹر یعقوب صروف نے بھی ۹ جولائی ۱۹۲۷ء

کو وفات پائی، یہ وہ شامی اہل قلم ہین جس نے عربی ممالک مین سب سے پہلے سائنس حکمیات، فلسفہ اور اختراعات جدیدہ کے معلومات بہم پہونچائے اور پورے پچاس برس اس نے اس اہم خدمت کو انجام دیا، ۱۸۷۶ء مین اس نے اس رسالہ کو جاری کیا تھا، اور اب تک اسی طرح پوری شان کے ساتھ جاری رہا، اس کی پیدائش ۱۸۵۲ء مین ہوئی تھی، بیروت امریکن کالج مین تعلیم پائی تھی، اور پھر وہین ریاضیات کا پروفیسر مقرر ہوگیا تھا، وہین اس رسالہ کی اشاعت کا اس کو اور اس کے رفیق فارس نمر کو جو پہلے وفات پا چکا ہے خیال آیا تھا، ترکی حکومت نے اپنی اجازت سے اُن کی ہمت افزائی کی آخر یہ مصر مین آکر تکمیل کو پہنچا، یعقوب صروف کے بعد فواد صروف نے اس رسالہ کی زمامِ ادارت اپنے ہاتھ مین لی ہے،

عراق کی علمی مجلس ناکام رہی، شام کی علمی مجلس کے طرز پر عراق مین جس علمی مجلس یا اکاڈیمی کے قائم کرنے کا خیال وہان اہل علم واہل قلم اصحاب کو پیدا ہوا تھا، اور جس کے لیے وہان کے وزیر تعلیم نے دس ہزار روپے منظور کیے تھے، افسوس ہر کہ وزارت تعلیم یہ حقیر رقم بھی نہ دے سکی، اور خواہش کی کہ لوگ بلا اجرت اعزازی طور سے اس کے خدمات انجام دین، مگر یہ مفت کا سودا چک نہ سکا، اور تجویز ناکام رہی، یہی فرانسیسی اور انگریزی طرز حکومت کا نمایان فرق ہے، شام کی فرانسیسی حکمداری مین ہر طرح کی سیاسی وانتظامی بے اطمینانی ہے مگر علم وفن کی ترقی کا کام جاری ہے، عراق کی انگریزی حکمداری مین ہر طرح کا سیاسی وانتظامی امن وامان ہے کہ تجارتی کاروبار اور تیل کی برآمد مین فرق نہ آنے پائے مگر علم وفن کا بازار سرد ہے،

پنجاب مین تعلیمی ترقی، جون کے آخری ہفتہ مین پارلیمنٹ مین کہا گیا کہ ہندوستان کے تمام صوبون مین سے اس وقت پنجاب کی تعلیمی رفتار ترقی سب سے تیز ہے، پچھلے چار برسون کے اندر وہان طلبہ کی تعداد دونی ہوگئی ہے، پہلے وہان ۷۱۰ فیصدی تعلیم تھی اب بڑھکر ۱۴ تک پہونچ گئی ہے، وہان لازمی تعلیم بھی تیزی سے ترقی کر رہی ہے، اس وقت اس کے دیہاتی رقبہ کے ۸۰ میل مین لازمی تعلیم جاری ہو چکی ہو مگر جب یہ حساب لگایا جائیگا کہ ابھی کام کرنے کے لیے کیا باقی ہے تو افسوس ہوگا کہ تعداد کے لحاظ سے ابھی ۶۰ فیصدی اور رقبہ کے لحاظ سے ہزارون میل سے زیادہ کا کام باقی ہے، پنجاب کی اس تیز رفتاری کے معیار سے دوسرے صوبون کی سست رفتاری کا اندازہ لگا لیجیے،

ولایات متحدہ امریکہ کی مخلوط آبادی، ولایات متحدہ امریکہ کی مردم شماری کے آخری اعداد وشمار سے واضح ہوتا ہے کہ وہان کی ۱۰۵ ملین آبادی مین سے ۴۷،۶۸۰،۰۰۰ انگلستان اور شمالی آئرلینڈ کے مہاجرین کی نسل مین سے ہین، ۵،۰۶۳،۰۰۰ جنوبی آئرلینڈ کے، ۱۳۲۲۶۱ اسٹریلیا کے، ۱۴،۰۹۷ نیوزیلینڈ کے، ۲۱،۳۳۷،۴ جرمنی کے، ۱،۰۸۲،۳۹۹ فرانس کے، ۱،۳۱۶،۰۹۳ ۳۴،۲۲۳،۰ کے اٹلی کے، ۴۶۳،۳ ۱،۶۷۸، پولینڈ کے، ۱،۲۶۰،۰۹۵ ناروے کے، ۶۶۹،۳۴،۲۲ روس کے اور ۱،۸۶۷،۵۲۲ سویڈن کے مہاجرین کی نسل سے ہین،

برطانیہ کی مجلس طبی کا اجلاس، انگلستان کی مشہور وقیع مجلس طبی کا سالانہ اجلاس ۱۵ جولائی سے ۲۳ جولائی تک اڈنبرا مین منعقد ہوا، اجلاس مین ملک کے مشہور اطبا نے مختلف مباحث طبیہ پر نہایت وقیع مضامین پڑھے جن مین سے پروفیسر میکلین کا مضمون "انسولین اور اُس کا ذیابیطس مین عمل" یا پروفیسر جان ٹائٹ کا مضمون "طحال کی ترکیب اور اسکے وظائف" اور ڈاکٹر آبرین اور پروفیسر فریزر وغیرہ کے مختلف مباحث پر مضامین خاص اہمیت رکھتے ہین،

" " "

باب التقریظ والانتقاد

شعر و شاعری عرفی

حیدرآباد دکن میں شعبۂ جامعہ معارف کے نام سے فارسی کی جو علمی انجمن قائم ہوئی ہے اُس کے مقاصد کا بیان اس سے پہلے معارف میں آچکا ہے، اس انجمن کا سب سے پہلا کارنامہ "شعر و شاعری عرفی" یعنی فارسی زبان میں عرفی کی شاعری پر ایک مفصل تبصرہ ہے، جو آقا سید محمد علی استاذ فارسی نظام کالج کے فضل و کمال کا نمونہ ہے۔

آجتک ایرانیوں نے ہندوستان کے فارسی شعرا و ادبا کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے، لیکن یہ انجمن اب اس تعصب اور بیگانگی کو دور کرکے ہندوستان کے فارسی شعرا و ادبا کو بھی گوشۂ گمنامی سے نکالکر دنیا سے روشناس کرنا چاہتی ہے؛

اس سلسلہ میں جامعۂ معارف میں آقا سید محمد علی نے سب سے پہلے عرفی کو لیا ہے اور اُس کے حالات اور شعر و شاعری پر نہایت مفصل خطبہ دیا ہے جو ۴۰ صفحون میں بعنوانِ بالا چھپا ہے، عرفی اگرچہ درحقیقت ایک ایرانی شاعر تھا جو شیراز میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کے فضل و کمال نے ہندوستان میں نشو و نما پائی تھی اور استاذ مرحوم نے شعر العجم کی چوتھی جلد میں ہندوستان کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ بتائی ہے کہ؛

جو چیز یہاں باہر سے آتی ہے چند روز کے بعد اس میں ایسی موزونی اور لطافت آجاتی ہے کہ خود اس کے وطن میں نہ تھی؛

اور اس کو متعدد مادی مثالوں سے ثابت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:-

بعینہٖ یہی فرق شاعری میں بھی ہے ایران کے اُن شعرا کو جو ایران سے ہندوستان میں آئے اور یہاں کی آب و ہوا اور خیالات سے متاثر ہوئے، ان کا کلام اُن شعرائے ایران سے مثلاً جو ایران ہی میں رہے ان دونوں کے کلام میں صاف یہ فرق نظر آئیگا، عرفی نظیری طالب آملی کلیم قدسی غزالی کے کلام میں جو لطافت خیال نکتہ آفرینی باریک خیالی اور رنگین ادائی ہے وہ شفائی اور محتشم کاشی میں کہاں پائی جاسکتی ہے،

آقا سید محمد علی بھی اپنی تقریر میں ہندوستان کی اس خصوصیت کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں؛

اگر عرفی در شیراز می ماند و بہ ہندنمے آمد مثل شعرائے معاصر ایرانی خود شفائی و عزتی و عارف و کیفی در مثال ایشان گمنام یا کم نام میمرد و امروز نام عرفی امروز را نداشتیم پس عرفی پروردۂ ہند است و ہندوستان بوجود عرفی افتخار می نماید شیراز را ابداً حق بالیدن بہ وجود عرفی نماند و آقائے شیراز خواہش داریم عرفی را بہ ہند واگذارید برائے افتخار شما سعدی و حافظ و قاآنی بس بست؛

اس کے بعد اُنھوں نے عرفی کے حالات بیان کیے ہیں جن کے دو ماخذ یعنی مآثر رحیمی اور تذکرۂ عرفات میں عینی شاہدات مذکور ہیں، استاد مرحوم نے بھی شعر العجم میں انھیں دونوں کو عرفی کے حالات کا مستند ترین ماخذ قرار دیا ہے لیکن ان کا بہترین ماخذ ایک اور تھا یعنی خانخانان کے حکم سے محمد قاسم سراج نے عرفی کے دیوان کی جو ترتیب دی تھی اس پر عبد الباقی نے ایک دیباچہ لکھا تھا جسمیں عرفی کے حالات اور واقعات درج کیے تھے، چنانچہ مآثر رحیمی میں اس کا ذکر آیا ہے اور اس تقریب سے مولانائے مرحوم بھی اس ماخذ سے واقف تھے لیکن ان کو یہ افسوس تھا کہ؛

یہ نسخہ آج بالکل نایاب ہے ورنہ غالباً بہت ہی دلچسپ باتیں معلوم ہوتیں؛

لیکن آقا سید محمد علی کو خوش قسمتی سے یہ ماخذ بھی ہاتھ آیا ہے لیکن مولانائے مرحوم نے اس ماخذ سے جن دلچسپ باتوں کے معلوم ہونے کی توقع کی تھی، وہ پوری نہیں ہوئی اور انھوں نے جو حالات بیان کیے ہیں اُن سے اُن حالات پر مطلقاً کوئی اضافہ نہیں ہوتا، جو شعر العجم میں مذکور ہیں، آقا محمد علی نے دیوان عرفی کے متعلق

اپنی جو تحقیقات بیان کی ہے وہ تلخیص کے لائق ہے کہ اس سے بہت سے دلچسپ حقایق کی پردہ دری ہوتی ہے، وہ کہتے ہین:۔"محمد قاسم سراج نے خانخانان کے حکم سے عرفی کا جو دیوان مرتب کیا تھا اس مین قصیدہ، غزل مثنوی اور قطعہ رباعی چودہ ہزار شعر تھے، ہوتے یہی کلیات عام طور پر متداول ہے، لیکن اس مین اشعار کی تعداد چودہ ہزار سے کم ہے، یعنی غزل کے اشعار تقریباً چار ہزار، قصائد کے تقریباً تین ہزار، مثنوی مجمع الابکار کے تقریباً ایک ہزار چار سو، مثنوی فرہاد و شیرین کے تقریباً پانچسو، رباعیون کے تقریباً چار سو پچاس اور قطعات کے تقریباً پانچسو ہین جن کی مجموعی تعداد تقریباً نو ہزار ہوتی ہے، بقیہ اشعار کا حال معلوم نہین کیا ہوئے، لیکن غزل کے ان چار ہزار اشعار مین ممکن ہے کہ ایک ہزار شعر عرفی کے ہون، بقیہ اشعار ایسے شعراء کے ہین جو استاد نہین معلوم ہوتے بلکہ بالکل مبتدی نظر آتے ہین، عرفی قصیدے کا بہت بڑا استاد تھا جو انوری اور خاقانی کی ہمسری کا دعوی کر سکتا تھا، لیکن اگر اس کی غزلون پر نظر ڈالی جائے تو وہ کسی غزل گو کے دوش بدوش نہین کھڑا ہو سکتا، مین ایران مین تھا کہ عرفی کا کلیات جو ہندوستان مین چھپا یا گیا تھا وہان آیا، مین نے اس کے قصائد پڑھے تو تسلیم کیا کہ وہ ایک بہترین استاد ہے، لیکن اس کی غزلون کے پڑھنے سے مجھ کو مایوسی ہوئی اور مایوسی کے ساتھ تعجب ہوا کہ جو شاعر قصیدہ مین اس قدر مضمون آفرین اور بلیغ ہو وہ غزل مین کیون مبتدی اور مہمل گو نظر آتا ہے، اگرچہ اس کی غزلون مین چند عمدہ غزلین بھی نظر آئین، تاہم میرا تعجب دور نہ ہوا اور قائم رہا، لیکن جب ہندوستان مین آیا تو یہان کا یہ عجیب طریقہ دیکھا کہ یہان کے چھاپے خانے بہت سے اشعار کو چھاپ کر ایک شاعر کی طرف منسوب کر دیتے ہین، اور ان کو لوگ وحی کی طرح قبول کر لیتے ہین، حالانکہ وہ اشعار کسی طرح اس شاعر کی طرف منسوب نہین کیے جا سکتے، مثلاً حافظ کا جو دیوان ۱۳۲۸ھ مین مبئی مین چھپا ہے اس کی ایک غزل مین ایک شعر یہ ہے،

از رنگ برگ پان و سپاری دہن شد   دندان آن نگار سفید و سیاہ و سرخ

حالانکہ خواجہ حافظ پان سپاری سے واقف نہ تھے،

اسی طرح ہندوستان مین جو غزلین ظہیر فاریابی کے نام سے چھپی ہین وہ کسی ہندی شاعر کی ہین اور اس

مجموعہ مین ایک غزل بھی ایسی نہین ہے جو ظہیر کی طرف منسوب کی جا سکے، یہ ظہیر اپنے اس دیوان مین ایک جگہ کہتا ہے کہ مین صائب کے انداز مین شعر کہتا ہون، حالانکہ ظہیر صائب سے چھ صدی پہلے گذرا ہے،

آقائے ممدوح کہتے ہین کہ ہندوستان مین پہلے یہ طریقہ تھا جو اب بھی موجود ہے کہ یہان کے شعراء اساتذۂ قدیم کا تخلص اختیار کرتے تھے، چنانچہ سعدی ہندی کا نام ہم سب کو معلوم ہے اور ظہیر ہندی کی غزلین ظہیر فاریابی کے نام سے مطبع نولکشور لکھنؤ نے شائع کی ہین، دکن مین اب بھی ایک شاعر ہے جس کا تخلص نظامی ہے، اس بنا پر مین نے یہ رائے قائم کی کہ موجودہ مطبوعہ نسخہ مین جو غزلین عرفی کے نام سے شائع ہوئی ہین وہ کسی دوسرے غیر معروف شاعر کی ہین جس نے اپنا تخلص عرفی کیا تھا، البتہ اس مین چند غزلین عرفی کی بھی شامل ہو گئی ہین اور مطبع نولکشور اس خلط مبحث کا ذمہ دار ہے، لیکن جب مین نے قلمی نسخے دیکھے، یہان تک کہ وہ قلمی نسخہ بھی میری نظر سے گذرا جو عرفی کے زمانے کے قریب لکھا گیا ہے تو مجھے افسوس کے ساتھ معلوم ہوا کہ قلمی نسخے بھی مطبوعہ نسخے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہین، اب مین نے مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ جو مصیبت بیچارے خواجہ حافظ پر آئی تھی وہی غریب عرفی پر بھی آئی ہے، یعنی خواجہ حافظ کا دیوان خود ان کے زمانے مین مرتب نہین ہوا تھا بلکہ ان کے بعد ان کے دولت مند شاگرد محمد گل اندام نے اس کو مرتب کیا اور جس شخص کے یہان خواجہ کے اشعار ملے اس سے ان کو حاصل کیا، یہان تک کہ اخیر مین ایک غزل کی قیمت ایک اشرفی مقرر کی تاکہ اس لالچ سے جس شخص کے پاس حافظ کی غزلین ہون وہ اس کے حوالے کر دے، چنانچہ اشرفی کے لالچ سے بہت سے لوگ حافظ کے نام سے خود غزلین لکھ کر یا دوسرون سے لکھوا کر لائے اور اس زرین صلہ کو حاصل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ کے دیوان مین اس قسم کی غزلین شامل ہو گئین،

بنویس دلا بیار کاغذ   از عاشق بیقرار کاغذ

اسی طرح خود عرفی کا دیوان بھی اس کی زندگی مین مرتب نہین ہوا بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی ترتیب خانخانان کے حکم سے دی گئی، اس بنا پر اس مین دوسرون کی مبتدیانہ غزلین بھی شامل ہو گئین، مآثر رحیمی اور

کلیات عرفی کے دیباچہ کے مطابق عرفی نے پہلے ایک دیوان خود مرتب کیا تھا جس میں ۶ ہزار شعر تھے لیکن دوسروں کی نقل لینے سے پہلے ہی وہ ضائع ہو گیا، چنانچہ اس نے خود ایک غزل میں جس کا ایک شعر یہ ہے

رصد شرع ہنر چون نشود محو کہ من — شش ہزار آیت احکام ہنر باختہ ام

اس پر افسوس کیا ہے اس کے بعد اس نے سنہ ۹۹۶ھ میں آٹھ ہزار شعر کا ایک دوسرا دیوان مرتب کیا اور اسکے مرتب کرنے کے تین سال بعد وفات پائی اور اپنے مرض الموت میں اس دیوان کا مسودہ خانخانان کے پاس بھیج دیا کہ اس کے حکم و توجہ سے صاف ہو کے شائع ہو جائے، لیکن یہ مسودہ سنہ ۱۰۲۴ھ یعنی ۲۵ برس تک خانخانان کے کتب خانہ میں یونہیں پڑا رہا، اس کے بعد محمد قاسم سراج کے سپرد کیا گیا کہ وہ اس کو مرتب و شائع کرے، اس کے ساتھ یہ تاکید بھی کی گئی کہ جس شخص کے پاس عرفی کے اور اشعار ہیں ان کو بھی اس دیوان میں شامل کیا جائے، سراج نے اس خیال سے کہ عرفی کے چھ ہزار اشعار پہلے ضائع ہو چکے ہیں، اس لیے اس کے تمام اشعار کی مجموعی تعداد چودہ ہزار ہے، اس کے دیوان کو چودہ ہزار شعر تک پہونچایا، اس اضافہ کے متعلق استاذ مرحوم شعر العجم میں لکھتے ہیں کہ

"صمصام الدولہ شہنواز خان نے تذکرۂ بہارستان سخن میں لکھا ہے کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام بھی آخر ہاتھ آیا اور دیوان میں داخل کر دیا گیا لیکن جو نسخے اس سے پہلے شائع ہو چکے تھے، وہ ناقص رہے، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، میں نے عرفی کے دیوان کے نسخے باہم مختلف دیکھے ہیں، میرزا صائب نے اپنی بیاض میں عرفی کے اکثر اشعار انتخاب کیے ہیں جو موجودہ دیوانوں میں نہیں ملتے،

لیکن اس عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام کب ہاتھ آیا؟ اور کس کے ہاتھ آیا؟ اگر وہ خود محمد قاسم سراج کو ملا تو اس کے متعلق آقا سید محمد علی فرماتے ہیں کہ مجھ کو سراج کے ادبی پایہ اور شاعرانہ مذاق کا حال معلوم نہیں ہے، ممکن ہے کہ وہ حاطب اللیل ہو اور عرفی کے نام سے رطب و یابس جو کچھ ملا ہو سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہو، خود خانخانان کو امور سلطنت اور کثرت مشاغل سے اول سے آخر تک سراج کے ترتیب دادہ

دیوان کے مطالعہ کرنے کی فرصت نہ ملی ہو اور سراج نے عرفی کے نام سے چھ ہزار خارجی شعر کو شامل دیوان کر کے خانخانان سے عظیم الشان صلہ حاصل کر لیا ہو، لیکن اگر سراج کے علاوہ کسی اور نے یہ کمی پوری کی تو حقیقت اور بھی مشتبہ ہو جاتی ہے، بہرحال دیباچہ کلیات عرفی، مآثر رحیمی اور خود عرفی کے اد[illegible] کے مطابق عرفی نے جو دیوان خود مرتب کیا تھا اس میں ۲۷۰ غزلیں اور ۲۶ قصیدے تھے لیکن اب مطبوعہ نسخے میں ۵۶۴ غزلیں اور ۵۱ قصائد ہیں جن میں آقا سید محمد علی کے نزدیک تقریباً ۳ سو غزلیں عرفی کی نہیں ہیں اور ان کو عرفی کے اصل کلام سے الگ کیا جا سکتا ہے، البتہ قصائد سب کے سب عرفی کے ہیں کیونکہ سب کا انداز ایک ہی ہے، اور سب میں شاعرانہ احساسات موجود ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ سراج نے عرفی کے اور ممدوحین کے بیان سے لیکر بقیہ قصائد کو جمع کیا تھا،

شاید یہ کہا جائے کہ ایک قصیدہ گو شاعر قصیدہ کے مثل غزل نہیں کہہ سکتا، اسی طرح غزل گو شاعر غزل کے درجہ کے قصیدے نہیں کہہ سکتے، مثلاً خاقانی اور انوری کی غزلوں کا درجہ ان کے قصائد سے پست ہے، اور سعدی اور حافظ کے قصائد ان کی غزلوں سے فروتر ہیں، اس لیے اگر عرفی کی غزلیں اس کے قصائد کے رتبہ کو نہیں پہونچتیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جعلی اور مصنوعی ہیں، لیکن اس فرق مراتب کے تسلیم کر لینے کے بعد بھی کم از کم یہ ماننا پڑیگا کہ گو ایک شاعر جس نے اپنی عمر کسی صنف شعر میں بسر کی ہے دوسری صنف میں پست رتبہ ہو جاتا ہے، تاہم وہ اس میں بالکل مبتدی اور مہمل گو بھی نہیں بن جاتا، مثلاً حافظ اور سعدی کے قصائد اگرچہ ان کی غزلوں کے درجہ کو نہیں پہونچتے، تاہم وہ بلند اور استادانہ اشعار سے بالکل خالی نہیں ہیں اسی طرح انوری، ظہیری، اور خاقانی کی غزلیں بھی اگرچہ ان کے قصائد سے فروتر ہیں لیکن تاہم ان کا انداز ان کے قصائد ہی کا ہے، لیکن عرفی کی طرف جو غزلیں منسوب ہیں وہ اس کے قصائد سے بالکل میل نہیں کھاتیں، چنانچہ اگر کوئی شخص انوری کے قصائد کو عرفی کے قصائد پر ترجیح دینا چاہے تو اسکو اس مناظرانہ موازنہ میں نہایت غور و فکر سے کام لینا پڑیگا لیکن عرفی کی غزلوں پر غزل کے ہر استاد کی غزلوں کو بہ آسانی ترجیح

دیناچاہے تو اس خطرناک موازنہ مین نہایت غور و فکر سے کام لینا پڑیگا، لیکن عرفی کی غزلون پر غزل کے ہر استاد کی غزلون کو بہ آسانی ترجیح دیجاسکتی ہے عرفی نے قصائد مین اساتذۂ قدیم کا تتبع کیاہے اور کامیاب ہواہے، لیکن اس کے برعکس جہان کہین غزل مین کسی استاد کا تتبع کیاہے افسوسناک طور پر ناکامیاب رہاہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عرفی نے بہت سے قصائد کی ابتدا مین تشبیب لکھی ہے جو ایک قسم کی غزل ہے لیکن اگر ان تشبیہون کا مقابلہ اُس کی غزلون سے کیاجائے تو زبان و بیان مین زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا،

مادی حیثیت سے عرفی کے کلام پر بحث کرنے کے بعد اُنھون نے معنوی حیثیت سے اُس کے کلام پر نظر ڈالی ہے، اور اس سلسلے مین سب سے پہلے تاریخی حیثیت سے اُسکے اسلوب سخن اور انداز بیان کی تعیین کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رودکی دقیقی اور فردوسی کے زمانہ تک شعرائے ایران سادگی بیان اور فصاحت الفاظ کا زیادہ لحاظ کرتے تھے، اور تشبیہات و استعارات قریب المأخذ استعمال کرتے تھے لیکن نظامی اور خاقانی نے اس روش کو بدل کر دقیق مضامین پیدا کیے اور بعید الفہم تشبیہات و استعارات سے کام لیا، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عوام کی سمجھ سے بالا ترہے اور اس سے صرف علما فائدہ اُٹھا سکتے ہین، لیکن ساتوین صدی مین امامی ہروی، مجد ہمگر، سعدی، ہمام اور خواجہ حافظ نے پھر اس پیچیدہ روش کو بدل کر قدما کا سادہ اسلوب بیان اختیار کیا، الفاظ، عام فہم اور سلیس استعمال کیے اور تشبیہات و استعارات سے بہت کم کام لیا، اس لیے شاعری بالکل عام فہم ہوگئی، اور شعرگوئی کا عام مذاق پیدا ہوگیا، لیکن نوین صدی مین پھر اس روش مین انقلاب پیدا ہوا، اور شعرا نے پھر وہی نظامی اور خاقانی کا پیچیدہ انداز کلام اختیار کیا، امیر علی نوائی اور ملا عبدالرحمن جامی نے اس کی ابتدا کی، اور فغانی نے اُس کے تتبع مین زیادہ نام پیدا کیا، اور فغانی کے معاصرین مین اہلی شیرازی، خواجہ آصفی اور میر شاہی نے بھی اس کا تتبع کیا، یہان تک کہ لسانی، شریف تبریزی، کیہی، ہجی، محتشم کاشی، ضمیری اصفہانی اور وحشی بافقی کے زمانے تک یہ روش تمام ایران،

ہندوستان اور توران پر محیط ہوگئی اس کے بعد مرزا قلی میلی، خواجہ حسین ثنائی، ولی دشت بیاضی، ملی، قاضی نورالدین اصفہانی، فہمی، حاتم کاشی، تقی، صبری اور ساوجی وغیرہ نے اس اسلوب مین اور بھی اغراق ومبالغہ سے کام لیا، اس کے بعد عرفی کا زمانہ آیا تو اس نے اس شراب تند کو اور بھی دو آتشہ کر دیا، اور تمام شعرا مثلاً فیضی، رکنائے مسیح اور حکیم شفائی بھی اس کی تقلید کرنے لگے، اور نوین صدی کے اواخر سے بارھوین صدی تک یہ روش قائم رہی، اور اُس نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ شاعری کی ایک مستقل صنعت ہوگئی اور اس مین متعدد کتابین تصنیف ہوئین چونکہ اس روش نے ہندوستان مین زیادہ وسعت اور مقبولیت حاصل کی اس لیے ہندوستان کے لوگ اس طرز کے اساتذہ مثلاً فیضی عرفی نظیری بیدل صائب اور غنی وغیرہ کی عزت شعرائے ایران سے زیادہ کرنے لگے، اور ایرانیون نے اس طرز کو ہندی طرز کا لقب دیا، اور آج تک ہندوستان مین یہی روش متداول و مقبول ہے لیکن ایران مین بعض سیاسی اسباب کی بنا پر بعد کو یہ روش بدل گئی اور بارہوین صدی کے اواخر مین ہاتف اصفہانی، صباحی بیدگلی اور لطف علی بیگ آذر وغیرہ نے وہی سعدی اور حافظ کی سادہ روش اختیار کرلی، اور اس روش نے قاآنی سروش اور فروغی جیسے شعرا پیدا کر دیئے،

عرفی کے اسلوب و انداز بیان کے بعد اُنھون نے اس کے قصائد سے مثالین پیش کرکے اسکی تائید کی ہے، لیکن اس کے علاوہ عرفی کے کلام مین اور بھی بہت سی خصوصیات ہین جن کو انھون نے بالکل نظرانداز کر دیا ہے، لیکن اُنھون نے جو کچھ ارشاد فرمایاہے، وہ بہرحال ایک ادبی مجلس کی شان کے موافق ہے اور اگر شعبۂ جامعۂ معارف مین اس قسم کی تقریرین ہوتی رہین تو امید ہے کہ فارسی زبان اور فارسی شاعری کے متعلق بہت سے تاریخی مباحث سے ہندوستان آشنا ہوجائیگا، عام ناظرین کے لیے اس رسالہ کی قیمت ۸؁ ہے اور مولف کے پتہ سے حیدرآباد سے ملے گی،

" ع "

نقشِ ارژنگ،

پنجاب کے نوجوان شاعر چودھری جلال الدین صاحب اکبر بی اے نے اس نام سے اپنا مجموعۂ کلام شایع کیا ہے، اکبر بادشاہ کا خطاب جلال الدین تھا اس مناسبت سے جلال الدین صاحب کا اکبر تخلص کرنا تاریخی مناسبت پر مبنی ہے ان کا مجموعۂ کلام چھوٹی تقطیع کے ۲۰۵ صفحون مین ہے اور مختصراً مختلف اصنافِ سخن پر حاوی ہے، شروع مین مختلف اصحاب کے قلم سے بہ ترتیب تعارف مقدمہ اور گران قدر رائین لکھی گئی ہین ان مین سے ہر صاحب نے اکبر کی شاعری کے متعلق حوصلہ افزا خیالات ظاہر کیے ہین،

یہ مجموعہ تین حصون پر منقسم ہے نقوشِ رنگین جسمین مختلف عنوانون پر چند نظمین، رباعیات اور قطعات ہین، نقشِ غیرفانی دوم، یہ ان غزلون کا مجموعہ ہے جو انھون نے میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج کی زندگی مین کہین، اور نقشِ غیرفانی حصہ اول مین میٹرک پاس کرنے سے پہلے کی چند غزلین ہین،

پہلے حصہ مین شفقِ صبح، ایک تصویر دیکھ کر، تجسّی، اقبال لسان العصر اکبر، خونِ آرزو، تجدیدِ آرزو، انارکلی، دعاہاے مستجاب، کے مختلف عنوانات پر ان کی نظمین نہایت دلکش فصیح اور مؤثر ہین،

یہ خواب ہے کہ طلسمِ خیال ہے کیا ہے؟   ریاضِ خلد کا رنگِ جمال ہے کیا ہے؟

یہ سوزِ دلِ شب کا مقامِ وصال ہے کیا ہے؟   مری نگاہ کا حدِّ کمال ہے، کیا ہے؟

بلندیون پہ یہ رنگین مکان کیسا ہے

جہان بھر سے انوکھا جہان کیسا ہے

رباعیات کے ذیل مین ہے،

جب روح غمِ جہان سے گھبراتی ہے   ذکرِ غمِ شاہ سے سکون پاتی ہے

آئینے کی طرح آنسوؤن مین مجھکو   تصویرِ حسینؑ کی نظر آتی ہے،

غزلون مین اکبر نے حسرت موہانی کے رنگ کا تتبع کیا ہے، اور کامیابی کے ساتھ اس کی پیروی کی ہے اس لیے ان کو آیندہ "پنجاب کا حسرت" کہنا مناسب ہوگا، بیان کی سادگی الفاظ کی روانی ابتذال کے پرہیز فارسی ترکیبون کی ہلکی سی چاشنی یہ سب باتین اکبر مین پائی جاتی ہین جس کا ثبوت ان کا یہ کلام ہے،

بہارِ زندگانی گلفشان معلوم ہوتی ہے   تری تصویر سینے مین نہان معلوم ہوتی ہے

مصیبت کشمکشہاے محبت کی نہین جاتی   وفا کی ٹیس دردِ جاودان معلوم ہوتی ہے

فروغِ بیخودی ہے اُن کے پیراہن کی رنگینی   کوئی موجِ شرابِ ارغوان معلوم ہوتی ہے

فسانے قیس کے کچھ آشنا معلوم ہوتے ہین   کتابِ عشق دل کی داستان معلوم ہوتی ہے

تری چشمِ خمار آلود مین اک سحرِ قاتل ہے   نگاہِ مہربانی جانستان معلوم ہوتی ہے

بہارِ نازسے اُس نوگلِ رعنا کی اے اکبر   محبت گلستان در گلستان معلوم ہوتی ہے

اسی زمین اور قافیہ در دیف مین تین غزلین ہین اور تینون اچھی ہین ان کی ایک غزل کا شعر ہے اور کتنا اچھا شعر ہے،

وہ چشمِ دلنواز ہے پھر بر سرِ کرم   حاصل سکون یاس کی راحت نہین مجھے

اسی قسم کے اور بہت سے اچھے شعر اُن کے کلام مین موجود ہین جو اُن کے حسنِ ذوق کو ظاہر کرتے ہین،

تاہم ان تمام خوبیون کے ساتھ "پنجاب کے حسرت" کے متعلق ہمین "یوپی کے حسرت" کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ شاعر نے اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت مین عجلت کی، خاندانِ مومن کے رنگ کے لیے دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ فارسی ترکیبون اور محاورون پر کامل عبور ہو اُس کے بغیر اس رنگ کا نباہنا آسان نہین نکتے ہین،

ہے ستم خوردۂ جنون اکبر   اسکی خانہ بدوشیان نہ گئین

"یتم خوردن" فارسی کا کوئی محاورہ نہین، اسکے بجاے اگر "ستم دیدہ" کہا جاتا تو محاورہ بھی صحیح ہوتا اور شعر بھی ہو جاتا،

"خاطر پریشان" جمع کی حالت مین مشاید صحیح نہو، اشعار کے وزن اور بحر کی غلطیان بھی موجود ہین، مثلاً

آنکھون کو خاک کربلا مل جاے ہر درد کی جو شی ہے دوا مل جاے

پہلا مصرع ساقط ہے، اُن کے بعض اشعار مین "ہ" اور "ع" گر جایا کرتی ہے، مثلاً

خدا سے کی طلب آخر قناعت ہوا قلب سیاہ روشن سراپا

حالانکہ اس مین سیاہ کو سیہ کہہ سکتے تھے،

مصورون کی نظر دیکھ کر پریشان ہے سمن فروش نظر ہے کمر تک عریان ہے

عریان کی عین تقطیع سے خارج ہے، ذیل کے مصرع مین

یعنی ہر لفظ مین تجلیات

تجلیات "ی" کی تشدید کے ساتھ باندھا گیا ہے، گر صحیح تجلیات ہے بغیر تشدید کے کہ یہ الف، ت کے ساتھ تجلی کی جمع ہے، اسمین "وحی" ہین، الفاظ سے قطع نظر کرکے معانی کی حیثیت سے بھی بعض باتین قابل گرفت ہین، گر تسلی یہ ہے کہ یہ تمام غلطیان عارضی ہین، خود اکبر کا جوہر ذاتی ہے، وہ بہت جلد اپنی اصلاح آپ کرے گا،

باش تا بادہ این میکدہ در جوش آید

ہم اس دن کے منتظر ہین کہ جب یہ "نقش اول"، "نقش ثانی" بنکر دلون پر اپنا نقش بٹھائیگا،

امید ہے کہ اکبر صاحب اپنی مشق کو جاری رکھین گے، اسی کے ساتھ وہ اس داد کے بھی مستحق ہین کہ اردو محاورات اور زبان کی غلطیون سے ان کا کلام عموماً پاک ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہین ہے، ضرورت ہے کہ اصولی غلطیون سے بھی آیندہ اُن کا کلام پاک رہے،

قیمت ۸ مہر :- حافظ عبدالمجید صاحب ۲۲، میلارام روڈ، لاہور،

تاریخِ مسیحؑ

جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی یہ ایک نئی تالیف شائع ہوئی ہے، خواجہ صاحب تبلیغی میدان کارزار مین ہر طرف پیام صلح دیکر صرف آریہ محاذ کے سامنے اپنا مورچہ قائم کرنا چاہتے ہین، چنانچہ وہ سناتنی ہندوون کو کرشن بیتی لکھکر رام کر چکے ہین، اب عیسائیون کے سامنے تاریخ مسیح پیش کی ہے، اور سکھون کیلیے گرو نانک جی کے سوانح حیات مرتب کرنیوالے ہین، تاریخ مسیح مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام سوانح حیات اور پیام دعوت کو عیسائیون کی معتبر کتابون سے انہی کے نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھکر سادہ اور سلیس طریقہ سے یکجا کر دیا ہے، اس لیے یہ تاریخ مسیح نہین درحقیقت "سیرۃ مسیح" ہے، مصنف نے اس کے لیے تاریخ مسیح نام صحیح نہین تجویز کیا ہے کہ تاریخ کا اطلاق قومون اور ملکون کے حالات پر کیا جاتا ہے،

خواجہ صاحب نے اس کتاب کی تمہید مین چونکہ یہ ملحوظ رکھا ہے کہ جو کچھ لکھا جاے وہ عیسائیون کے نقطۂ نظر کے مطابق ہو، اس لیے حالات کی صحت وعدم صحت کی تمام تر ذمہ داری عیسائیون کی مقدس کتابون اور عیسائی مصنفین پر ہے، اور اس لیے خواجہ صاحب نے اسلوب بیان مین بھی یہی نقطۂ نظر پیش نظر رکھا ہے، اور حضرت مسیح کے متعلق وہی الفاظ استعمال کیے ہین جو بالعموم مسیحی مقدس کتابون مین اُن کے متعلق ملتے ہین، لیکن کہین کہین یہ احتیاط قائم نہ رہ سکی، مثلاً "آخری دعا" کے موقع پر "میری موت کا وقت آن پہونچا، اپنے "رسول" کو جلال بخش" کے جملہ مین رسول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ انجیل مین اس موقع پر "بیٹے" کا لفظ ہی ہے، (یوحنا ۱۷ : ۱) خواجہ صاحب کو اس "نقل کفر" مین باک کیون ہوا، وہ تو ہمیشہ سے ایک جری اہل قلم ہین،

اسی طرح اس کتاب مین خواجہ صاحب نے اس کا بھی التزام رکھا ہے کہ سوانح و پیام مسیح مین

عیسائی دنیا مین جو مختلف افسانے مو جود ہین اور اس سلسلہ مین علمی تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے جو موشگافیان کی گئی ہین،
انھین عمداً نظر انداز کر دیا جائے، اس لیے یہ کتاب دراصل محض سرسری اور سادہ حالات پر مشتمل ہے، لیکن
اس موقع پر بھی کہین کہین خواجہ صاحب نے بعض تاریخی و علمی حقایق کے انکشاف کی کوشش کی ہے،
مثلاً ص ۳۵ پر ایک سامری عورت کے سلسلہ مین سامریون کے متعلق فرماتے ہین کہ "دراصل وہ فارسی نژاد
تھے" لیکن تمام سامریون کو فارسی نژاد بتانا صحیح نہین ہے کیونکہ خود کتاب مقدس کی تصریحات سے پتہ
چلتا ہے کہ سمرون مین بنی اسرائیل کے ایسے قبائل بھی آباد تھے جو مذہب سامری کے پیرو تھے، اور خصوصاً
خواجہ صاحب جس عورت کا تذکرہ فرما رہے ہین وہ خود اپنے الفاظ "ہمارے باپ یعقوب" اور "کنوان
عطا کیا" (یوحنا ۴: ۱۲) سے اپنے اسرائیلی ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہے،

کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس موضوع پر یحیی توسطے جو حالات مل سکتے تھے، سب کو سلسل
اور مربوط طریقہ سے یکجا کر دیا گیا ہے، البتہ ایک آدھ مقام پر بعض چیزین ایسی نظر انداز ہو گئی ہین جنھین خاص
اہمیت حاصل ہے، مثلاً جس موقع پر بتایا گیا ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کے قتل کا فیصلہ کیا وہان یہ بھی بتانا تھا
کہ فیصلہ قایافس سردار کاہن نے کیا اور اسکے ساتھ اس کے متعلق یوحنا کے اس بیان کو بھی پیش کرنا تھا کہ
مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہین کہا بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی" (یوحنا ۱۱: ۵۱) کیونکہ جیسا کہ
معلوم ہے پھر اسی قایافس ہی نے حضرت مسیح کے لیے مذہبی عدالت سے موت کا آخری فیصلہ سنایا،

خواجہ صاحب ان اسرائیلیات مین مسلمانون کے لیے جابجا قوسین مین اسلامی عقیدے بھی
نہایت مختصر جملون مین لکھتے گئے ہین اور آخر کے چند صفحون مین "حضرت عیسیٰ کی نسبت مسلمانون کا خیال"
کے عنوان سے اسلامی عقائد بھی پیش کیے ہین، لیکن خواجہ صاحب کی یہ مختصر تصریحات اس مربوط اسرائیلی
افسانے کے سامنے جسکو خواجہ صاحب نے مرتب کیا ہے قطعی ناکافی ہین اگرچہ انھون نے بعد مین اس
موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کی امید دلائی ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اسی موقع پر اس ضمیمہ کو اور وسعت دیتے

اور اسلامی عقائد اور اس کے استدلالات کو بھی مناظرانہ طرز تحریر سے علحدہ ہو کر یکجا کر دیتے، تاکہ ناظرین عیسائیون
کے عقائد کے موافق عیسائی التعلیم کا نمونہ دیکھنے کے بعد اسلامی معتقدات سے بھی پوری طرح آگاہ ہو جاتے،

آخر مین "اسلامی علم و ادب مین حضرت عیسیٰ کا ذکر" کے عنوان سے عیسائیون کو مخاطب کر کے
لکھتے ہین کہ "اسلامی شعراء نے حضرت عیسیٰ کا نام بھی اپنی شاعری کا ایک مستقل باب قرار دے لیا جسمین ہر شاعر نے
مختلف طریقون سے حضرت عیسیٰ کی تعریف لکھی ہے" اور اس ذیل مین مختلف شعراء کے کلام نمونہ کے
طور پر پیش کیے ہین اس سے خواجہ صاحب کا مقصود یہ ہے کہ حضرت مسیح اور ان کے معجزات پر مسلمانون کو اس
درجہ یقین رہا کہ ان کے ادبیات مین "اعجاز مسیحائی" ایک خاص عنوان قرار پا گیا، اور شعراء نے مختلف خیالات
جذبات اور احساسات کے ادا کرنے مین اس وصف کو مجازاً استعارہ، تشبیہ اور تمثیل کے طور پر استعمال کیا،

افسوس ہے کہ خواجہ صاحب اپنی اس تالیف مین اپنے مخصوص طرز انشاء کو قائم نہ رکھ سکے اور
دیباچہ مین اس کا خود اعتراف کیا ہے لیکن اس سلسلہ مین انھون نے ایسی بے اعتنائی کی کہ دلی کا انتساب
رکھتے ہوئے خواجہ صاحب کے شایان شان نہین، مثلاً "اسے بڑی فکر دامنگیر ہو گئی"، "یا احکامات"، "رہایش"
اور "انکساری" وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال، اس سے بدگمانی ہوتی ہے کہ خواجہ صاحب نے اسمین خود محنت
کم کی ہے ...... حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب اب کامیاب مصنف ہو چکے ہین ان کو اب خود زیادہ
محنت کرنے کی ضرورت بھی کم ہے، خدا خواجہ صاحب کے قدردانون کو سلامت رکھے ان کی ہر تحریر کو وہ
دعا تعویذ سمجھتے ہین اور ایک مصنف کے لیے اس عہد مین اس سے زیادہ اور کیا چاہیے، کتاب ۲۱۶ صفحون پر تمام
ہوئی ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ اوسط درجہ کا ہے، قیمت ۱۲/ جناب ابن عربی صاحب کارکن حلقۂ مشائخ
بکڈپو دہلی سے طلب کیجیے،

"ر"

مطبوعاتِ جدیدہ

الکحل اور زندگی، جناب جان اے ہنٹر ایم بی سی ایم کا ایک رسالہ "الکحل اور زندگی" کے نام سے ہے جس مین نہایت دلچسپ پیرایہ مین سائنس کے اصول کی روشنی مین شراب کے خطرناک اثرات بتا کر اُن سے محترز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، کتاب مختلف اسباق مین منقسم ہے، انداز بیان نہایت سلیس اور دلکش ہے، اور سائنس کے اہم اور پیچیدہ مسائل دلچسپ تمثیلون سے نہایت آسان پیرایہ مین سمجھائے گئے ہین، جناب مولوی حامد حسن صاحب قادری نے اس رسالہ کو اُردو مین منتقل کیا ہے، ترجمہ کی زبان نہایت صاف سادہ اور سلیس ہے، حجم ۱۴۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۱۲ ر پتہ:- میکمیلن اینڈ کمپنی لیمیٹیڈ، کلکتہ، بمبئی، مدراس، لندن،

شرف اصحاب الحدیث۔ یہ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی متوفی سنہ ۴۶۳ھ صاحب تاریخ بغداد کا ایک نایاب رسالہ ہے جسمین اُنھون نے جماعتِ اصحاب حدیث کے فضائل ومناقب لکھے ہین، شروع مین "اصحابِ احادیث" کی اصطلاح "متکلمینِ اسلام" کے مقابلہ مین قائم ہوئی تھی، کیونکہ محدثین کی مقدس جماعت جسمین آیمۂ مجتہدین بھی تھے، عقائد مین متکلمین کے عقائد سے اصولی اختلاف رکھتی تھی، حافظ ابو بکر خطیب بغدادی آخر عمر مین اسی جماعت مین داخل ہو گئے تھے، اور اسی وقت یہ رسالہ ان کے قلم سے نکلا تھا، ابتک یہ رسالہ حلیۂ طبع سے عاری تھا، جناب مولانا محمد صاحب اڈیٹر اخبار محمدی دہلی شکریہ کے مستحق ہین کہ وہ اس نایاب رسالہ کو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے نقل کرلائے، اور اسکو اُردو ترجمہ کے ساتھ فضائلِ محمدی کے نام سے موسوم کرکے شایع کیا ہے، رسالہ مین جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے اس جماعت کے فضائل ومناقب اور اس کا برسر حق ہونا ثابت کیا گیا ہے، اور اس کے مقابل گروہ کی غلطیان اور گمراہیان بھی واضح کی گئی ہین، رسالہ کا ترجمہ صاف اور سلیس ہے، آخر کے دو صفحون مین عربی اور اُردو دونون مین مؤلف کے سوانح حیات سرسری طور پر درج کیے گئے ہین، حجم مجموعی ۱۴۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت عہ پتہ:- دفتر اخبار محمدی اجمیری دروازہ دہلی،

اسوۂ حسنہ، مولوی سید محمد اسحاق صاحب نے حدیث کی مختلف صحیح کتابون سے اخلاق وموعظت کی پانچسو حدیثین جمع کی ہین، اور اُن کا ترجمہ "اسوۂ حسنہ" یا "اسلامی اخلاق" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، لیکن کیا بہتر ہوتا اگر اخلاق کے مختلف ابواب قائم کرکے ان حدیثون کو ان کی مناسبت سے مختلف ابواب مین تقسیم کر دیا جاتا، بہر حال یہ کتاب مسلمانون کے لیے مفید اور اُن کے پڑھنے کے لائق ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۸۸، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، جلد خوشنما اور مطلا ہے، قیمت ۱۲ر پتہ:- جناب محمد فخر الدین صاحب مہتمم کتاب گھر قادیان،

درِ ثمین، ہندوستان کی مشہور انگریزی شاعرہ مسز سروجنی نائیڈو کے دلآویز انگریزی کلام کے منظوم ترجمے اُردو کے مختلف رسائل مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہین، جناب تصدق حسین صاحب شکریہ کے مستحق ہین کہ اُنھون نے ان دُرہائے ناسفتہ کو ایک سلسلہ مین منسلک کرکے "درِ ثمین" کے نام سے شایع کیا ہے، اُردو ترجمون کے مقابل کے صفحون پر انگریزی کی اصل نظمین بھی دیدی گئی ہین، ابتدا مین جناب اختر دہلوی اور جناب سید ہاشمی صاحب فریدآبادی رکن دار الترجمہ حیدرآباد کے دلچسپ مقدمے ہین، امید ہے کہ شائقین ادب اس شاعرۂ ہند کے انگریزی خیالی پیکرون کو اس ہندوستانی لباس مین پسند فرمائین گے، رسالہ کا حجم ۱۰ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت کتاب مجلد عہ غیر مجلد عہ، پتہ:- احمدیہ پریس چار مینار حیدرآباد،

سیرِ گل، جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ نے اپنے ان سولہ مختصر افسانون کا مجموعہ "سیرِ گل" کے نام سے مرتب کیا ہے، جو وقتاً فوقتاً مختلف رسالون مین شایع ہو چکے ہین، ان مین کے چند افسانے

روسی اہل قلم چیخوف اور فرانس کے ایک اہل قلم موپاسان کے مختصر افسانون کا ترجمہ ہین اور چند جناب مرتب کے طبعزاد ہین اس لیے یہ سب اگرچہ ایک ہی قلم کی گلکاریان ہین تاہم ہر ایک مین مختلف رنگ کے نقش و نگار ہین فی الجملہ چیخوف کے افسانے پر لطف سادہ اور صحیح کیرکٹر کا بہترین نمونہ ہین جن مین تحلیل نفسی کے صحیح اصول از خود نمایان ہوتے ہین اور موپاسان کا افسانہ "گورستان کی نازنین" بھی دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے مختصر افسانون کے طرز تحریر مین اصل جان سلاست اور روانی ہے جناب جلیل نے اس کے نباہنے کی خاص کوشش کی ہے لیکن کہین کہین انھین اپنی ناکامی کا اقرار کرنا پڑیگا، مگر پھر بھی طرز تحریر نہایت صاف سلیس اور سادہ ہے

ابتدا مین جناب خواجہ غلام السیدین صاحب بی اے ایم ایڈ کا مقدمہ ہے جسمین انھون نے ان افسانون پر تبصرہ کیا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ خاصہ ہے قیمت عہ مولف سے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے پتہ سے طلب کرین؛

ہماری غذائین اس نام کے رسالہ مین جناب ڈاکٹر محمد مجیب الدین احمد خان صاحب فانی لودھیانوی نے انسان کی عام غذاؤن کی علمی (سائنٹفک) اور طبی نقطۂ نظر سے تشریح کرکے اُن کے مفید یا مضر ہونے اور ان کی قوت غذائی کے تناسب اور اُن کے استعمال کرنے کے طریقے بتائے ہین، اگرچہ جناب مؤلف نے اس رسالہ کو عام فہم بنانے کی خاص کوشش کی ہے لیکن طبی اصطلاحات کے بکثرت آجانے سے ایک حد تک نامانوسیت باقی رہ گئی ہے تاہم اردو مین یہ تالیف انسان کی سب سے ضروری سامان حیات پر سب سے پہلی کتاب ہے اس لیے ہماری قدر دانی کی مستحق ہے حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۴ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے قیمت ۴ جناب مؤلف سے کنگ میڈیکل ہال دہلی کے پتہ سے طلب کرین؛

"ر"

عدد چہارم	ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۷ء	مجلد بستم

فہرست مضامین